محدث



78



مجلس التحقیق الاسلامی گارڈن ٹاؤن لاہور

مدیر اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبد الرحمٰن مدنی مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبد الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476 موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدث** لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ محدّث لاہور

جلد ۹	رمضان و شوال ۱۳۹۹ھ	عدد ۹، ۱۰

فہرست مضامین

ناشر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی طابع: چوہدری رشید احمد مطبع: مکتبہ جدید پریس۔ ۴ شارع فاطمہ جناح لاہور

زرِ سالانہ -/۱۵ روپے فی پرچہ -/۲ روپے

فکر و نظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں موجودہ انتخابات

موافق اور مخالف آراء کا جائزہ

۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد نے نظام مصطفٰےؐ کے نام پر جو تحریک چلائی، عوام نے اس تحریک کو اپنے خون سے سینچا اور پروان چڑھایا۔ بالآخر یہ تحریک اللہ کے فضل و احسان سے بار آور ہوئی اور مسلمانوں کو ان کی توقعات سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے انعامات سے نوازا۔ اس وقت قائدین تحریک کے دو مطالبات تھے۔ اسلامی نظام کا نفاذ اور سابقہ بوگس انتخابات کے بجائے دوبارہ انتخابات کا انعقاد۔ تحریک کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مخلص اور اسلام کے شیدائی بندے کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ اور بھٹو صاحب کو، جن سے دوبارہ انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا جا رہا تھا، بھی بہ نفس نفیس اقتدار سے الگ کرایا۔ گویا دوبارہ انتخابات کے لئے از خود ہی بنیاد مہیا ہو گئی۔

لیکن عوام، جنہوں نے قربانیاں دے کر تحریک کو کامیاب بنایا تھا، ان کے پیش نظر صرف اسلامی نظام کا عملی نفاذ اور اس سے والہانہ محبت تھی۔ عوام کو دوبارہ انتخابات کے مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اگر انتخابات کے دوبارہ انعقاد کو ہی تحریک کا بنیادی مسئلہ قرار دیا جاتا تو اس قوت سے تحریک کا زور پکڑنا یقیناً ناممکنات سے تھا۔

اس کامیابی کے فوراً بعد ہی ہماری بدقسمتی کا دور شروع ہو گیا۔ ابھی قربانیاں پیش کرنے والوں کے خون کے دھبے بھی صاف نہ ہوئے تھے کہ بعض جماعتیں قومی اتحاد سے نکلنا شروع ہو گئیں۔ انہوں نے نہایت ڈھٹائی سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تحریک کا اصل مقصد بھٹو کو راستہ سے ہٹانا تھا۔ وہ مقصد پورا ہو چکا لہٰذا اب اس قومی اتحاد کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اتحاد سے باہر نکلتے ہی اسلامی نظام والی بات تو نظر انداز کر دی اور موجودہ حکومت سے انتخابات کے انعقاد کا مطالبہ شروع کر دیا۔

ان لیڈروں کی یہ روش عوام سے بدترین قسم کی غداری تھی۔ لیکن ستیاناس ہو اس خود غرضی، جاہ طلبی اور ہوسِ اقتدار کا، کہ آہستہ آہستہ قومی اتحاد کے باہر اور اندر کی سب جماعتوں نے "انتخابات" "انتخابات" کی رٹ لگانا شروع کر دی۔ اور یہ واویلا اس وقت شروع کیا گیا، جبکہ نئی حکومت اسلامی نظام کے نفاذ کے ابتدائی مراحل کا اعلان کر رہی تھی۔ اور اس طرف تھوڑی بہت پیش رفت بھی ہو چکی تھی۔ دین بیزار سیاسی جماعتوں کو تو اسلامی نظام درکار ہی نہ تھا۔ جو چند جماعتیں اسلامی نظام چاہتی بھی تھیں۔ انہیں یہ تکلیف ہونے لگی کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا سہرا تو ان کے سر بندھنا چاہیئے تھا۔ لہٰذا وہ بھی یہ چاہتی تھیں کہ جنرل ضیاء الحق کسی طرح جلد از جلد اقتدار سے الگ ہو جائے اور اس کی آسان صورت یہی تھی کہ انتخابات جلد از جلد ہوں۔ بالفاظ دیگر ان سیاسی پارٹیوں کے اغراض اور مفادات گو مختلف تھے۔ تاہم جنرل ضیاء الحق کو اقتدار سے جلد از جلد علیحدہ کرنے اور اس طرح اسلامی نظام میں رکاوٹ کا باعث بننے اور عوام سے غداری کے جرم میں سب برابر کے شریک رہے۔

جنرل ضیاء الحق نے اسلامی نظام کے نفاذ سے متعلق جو چند اعلانات کئے ان پر عملدرآمد نہ ہو سکا وہ بس صدا بصحرا ہی ثابت ہوئے۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو فرسودہ نظام کی بیوروکریسی کا طلسماتی چکر ہے۔ جس میں مغربی نظام کے پروردہ وہ افراد پیش پیش ہیں، جو اسلامی نظام میں اپنی موت دیکھتے ہیں اس لئے وہ نہایت چابکدستی سے حکومت کی پالیسیوں کو ناکام بنا کر اس حکومت کو فیل کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ لیکن اس ناکامی کی ایک بڑی وجہ ان سیاسی قائدین کی موجودہ حکومت سے عدم تعاون کی معاندانہ پالیسی ہے کہ ہر لیڈر مسلسل اس قسم کے بیان دیتا رہتا ہے کہ حکومت کو جلد از جلد انتخاب کروا کر اقتدار سے الگ ہو جانا چاہیے۔ اور اسے منتخبہ نمائندوں کے سپرد کر دینا چاہیئے اور نوبت بایں جا رسید کہ پچھلے ادوار کی گرتی ہوئی معیشت اور معاشرہ میں پھیلی اور بڑھتی ہوئی ہر طرح کی بدعنوانیوں کا ذمہ دار بھی موجودہ حکومت کو قرار دے کر اسے بدنام کرنا شروع کر رکھا ہے بات اس سے آگے بڑھ گئی اور اب ہر سیاسی لیڈر نے جنرل ضیاء الحق کی ہر بات کی خواہ وہ درست ہی کیوں نہ ہو مخالفت کو اپنا شعار بنا لیا۔[1] مثلاً جنرل صاحب نے کہا کہ "ہمارے ملک میں پارلیمانی نظام کے بجائے

---

[1] واضح رہے کہ جنرل صاحب کے یکم جنوری ۱۹۷۹ء کے خطاب سے قبل جس میں آپ نے کتاب و سنت کی بالادستی کی پالیسی کا اعلان کیا تھا یہی لوگ کہتے تھے، کہ ایسا اعلان بھی منتخب حکومت ہی کر سکتی ہے۔ گویا کلمہ پڑھنے کے لئے بھی عوام کا منتخب نمائندہ ہونا ضروری ہے۔

صدارتی نظام بہتر ہے اور اسلامی نظریہ کے قریب تر بھی ہے"۔ لیکن سیاسی بزرگوں نے کہا "تم کون ہوتے ہو یہ بات کہنے والے! یہ بات منتخبہ حکومت پر چھوڑ دو۔ انتخابات کراؤ اور اپنی راہ لو"۔ اب اگر یہی بات قائدِ اعظمؒ کہہ دیں تو سب اسے تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ اور ضیاء صاحب کریں تو ان کی مخالفت کرنا اپنا ضروری فریضہ سمجھتے ہیں۔

ایسی صورتِ حال ہی عام انتخابات سے قبل بلدیاتی انتخابات کے مسئلہ میں پیش آئی۔ ایک ایک سیاسی جماعت نے اس تجویز کی مخالفت کی ہے کہ بلدیاتی انتخابات کا منعقد کرانا صوبائی حکومت کی ذمہ داری ہے لہٰذا جنرل صاحب کو یہ انتخابات نہ کرانے چاہئیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مدت سے بلدیاتی انتخابات نہیں کرائے گئے۔ جبکہ ان انتخابات کے نتیجہ میں بہت سے عوامی مسائل حل ہو جاتے ہیں اور سیاسی لیڈر ان انتخابات کی محض اس وجہ سے مخالفت کر رہے ہیں۔ کہ اس طرح عوام پر ان کی گرفت کمزور پڑ جانے کا خطرہ ہے۔

متناسب نمائندگی کا مسئلہ بھی ایسا ہے۔ جسے سب سیاسی جماعتوں نے یکے بعد دیگرے مسترد کر دیا ہے۔ حالانکہ انہی پارٹیوں میں سے بہت سوں کے منشور میں اسے پسندیدہ قرار دے کر قوم سے اس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ غرض ہمارے سیاسی لیڈروں کے پاس ہر مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ اسے منتخبہ حکومت پر چھوڑ دیا جائے۔ اور ہر مشکل کا حل یہ ہے کہ عوام کے جملہ مسائل بس منتخبہ حکومت ہی حل کر سکتی ہے گویا انتخاب امرت دھارا ہے جب کوئی مسئلہ درپیش ہوا۔ اسے ہی اس کا علاج ٹھہرایا گیا۔

سیاسی قائدین کے اس رویہ نے موجودہ حکومت کو سخت پریشان کر دیا ہے۔ ایسے حالات میں ملک کی بہتری یا اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں کیا کچھ پیش رفت ہو سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ حکومت نے انتخابات کے انعقاد کی تاریخ مقرر کر کے ان سیاسی بزرگوں کی کسی حد تک زبانیں بند کر دی ہیں مگر دیندار طبقہ جو اسلام کا درد رکھتا اور اس کے لئے قربانیاں پیش کر چکا تھا۔ اس صورتِ حال سے سخت مضطرب ہوا۔ اور اس نے موجودہ حکومت سے واضح الفاظ میں یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ پاکستان اسلام کے نام پہ حاصل کیا گیا تھا۔ اور ایک اسلامی ریاست کا اصل مقصد اسلامی نظام کا دور دورہ ہے نہ کہ انتخابات کا انعقاد۔ لہٰذا موجودہ حکومت کو چاہیے کہ اپنی تمام تر توجہ اصل مقصد کی طرف مبذول کرے اور انتخابات کو اس وقت تک ملتوی کر دینا چاہیئے۔ جب تک کہ اسلامی نظام عملی طور پہ نافذ نہیں ہو جاتا۔ اس مطالبہ کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ نئے انتخابات اسلامی طرز پہ ہونے چاہئیں۔ جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ یہ نظام عملاً رائج ہو۔ مغربی طرزِ انتخاب سے اس لئے گریز کرنا چاہیئے۔ کہ یہ اپنے دامن میں بے شمار برائیاں اور قباحتیں

سمیٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے اسلامی نقطۂ نگاہ سے بھی ایک ناجائز فعل ہے۔ اس طرزِ انتخاب کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ ضلالت و بہیمیت ہی برسرِ اقتدار آئے گی۔ اور اسلامی نظام کی طرف جو تھوڑی بہت پیش رفت ہوئی ہے۔ اس پر پانی پھر جائے گا۔ اس مطالبہ کا تیسرا پہلو یہ بھی تھا کہ عوام کو اور خود پاکستان کو سیاسی بھیڑیوں سے بچایا جائے۔ جو نت بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں۔ خود تو افتراق و انتشار کا شکار ہیں، اب ملک کو بھی داؤ پر لگا رکھا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ سیاسی لیڈروں کی امنگوں کے سراسر خلاف ہے۔ لہٰذا سیاسی سطح سے اس کے خلاف ایک شور اُٹھ کھڑا ہوا۔ دین بیزار جماعتوں سے تو یہ واویلا متوقع تھا ہی۔ حیرت یہ ہے کہ دین پسند جماعتیں بھی سامنے آگئیں۔ اور دلائل کے زور سے موجودہ طرزِ انتخاب کو درست اور جائز ثابت کیا جانے لگا۔ آج ہم انہی دلائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

دلیل اوّل پہلی دلیل یہ ہے کہ جنرل ضیاء واقعی ایک مخلص آدمی ہے لیکن اگر وہ موجودہ بدعنوانیوں سے گھبرا کر اقتدار کسی دوسرے شخص کے حوالے کر کے چلا جائے۔ جیسا کہ صدر ایوب نے یحییٰ خاں کو اقتدار سونپ کر اپنی راہ لی تھی یا جس طرح بھٹو صاحب نے یحییٰ خاں سے اقتدار چھین کر اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی طرح کوئی دوسرا شخص جنرل ضیاء الحق کو بھی علیحدہ کر دے۔ اور اس کا جانشین کوئی بدکردار آدمی بن جائے۔ تو اگر ہم انتخاب کا راستہ بھی روک دیں تو ہمارے پاس دوسری ایسی کونسی قوت ہے جس کی بنا پر اسے اقتدار سے ہٹایا جا سکے۔ لہٰذا ہمیں کسی قیمت پر انتخابات کی مخالفت نہ کرنا چاہیے۔

بہ ظاہر یہ دلیل وزنی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ دلیل کئی لحاظ سے محلِ نظر ہے۔

سب سے پہلی قابلِ ذکر بات تو یہ ہے کہ کیا موجودہ سربراہ واقعی بدکردار آدمی ہے اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ اندازِ فکر برمحل اور حسبِ موقع ہے لیکن اگر معاملہ اس سے مختلف ہے تو پھر اس اندازِ فکر کا یہ کونسا موقع ہے؟ جنرل ضیاء کی خلوصِ نیت کا اعتراف تمام اسلامی دنیا کو ہے اور وہ بیانات کی حد تک اسلامی نظام کی طرف پیش رفت بھی کر چکا ہے۔ وہ بیوروکریسی اور سیاسی نبرد آزماؤں کی عدم تعاون اور معاندانہ پالیسیوں کی وجہ سے ان احکامات اور اعلانات پر عملدرآمد نہیں کرا سکا، جبکہ شریعت کی رو سے اہالیانِ پاکستان پر اس کی اطاعت لازم و واجب ہو جاتی ہے اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے دوبارہ انتخابات پر زور دینا اور اسے اقتدار سے ہٹانے کی فکر کرنا ایک جرمِ عظیم ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

عن امّ الحصین قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان امّر علیکم عبدٌ مجدّعٌ یقودکم بکتاب اللہ فاسمعوا لہ واطیعوہ (رواہ مسلم)

حضرت ام حصین کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کوئی نکٹا غلام بھی تمہارا امیر مقرر کر دیا جائے تو اس وقت تک اس کی بات سنو اور مانو جب تک وہ تمہیں اللہ کے حکم کے مطابق چلاتا ہے۔

اس ارشاد میں یہ تخصیص نہیں ہے کہ وہ تمہارا منتخب نمائندہ ہو یا چور دروازے سے نہ آیا ہو۔ نہ ہی یہ تخصیص ہے کہ وہ خوبصورت، تنومند کھاتا پیتا آدمی ہو۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق چلاتا ہو" خواہ وہ بدشکل اور حسب ونسب کے لحاظ سے کمتر ہی کیوں نہ ہو۔ جب تک وہ شرعی نظام کے نفاذ میں کوشاں رہے۔ از روئے شرع مبین اس کی اطاعت واجب ہے لہٰذا ہم اپنے تمام دیندار بھائیوں سے درخواست کریں گے کہ سرکارِ دو عالم کے فرمان کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے خالص خوشنودی خدا کو سامنے رکھ کر شرعی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں جنرل ضیاء کا ہاتھ بٹائیں اور ان خود سیاسی لیڈروں کے بھرے میں نہ آئیں۔ [1]

دلیل میں جس اضطراری حالت کی وجہ سے فرار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس اضطرار یا اضطراب کا بیشتر حصہ تو ان سیاسی لیڈروں کے روزمرہ معاندانہ بیانات کا مرہون منت ہے۔ اب اسے جنرل صاحب کی طبیعت کی نرمی کہیئے یا کمزوری طبع۔ کہ سیاسی بزرگ ان کے فرار کی بات سوچ رہے ہیں۔ ورنہ اگر جنرل صاحب تھوڑی سی جرأت سے کام لیں تو یہ سیاسی بزرگ خود فرار کی راہیں تلاش کرنے لگیں۔

اس دلیل کا دوسرا توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی بدکردار آدمی اقتدار پر مسلط ہو جاتا ہے تو

---

[1] - یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابتری حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے یہ لوگ جنرل صاحب کی تنہائی اور اسلامی مشینری کے فقدان کا ذکر شد و مد سے کرتے ہیں۔ جب یہی سوال ان سے کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس تربیت افراد کی ایک ٹیم موجود ہے۔ جسے اقتدار حاصل کر کے وہ ہر ناکے پر بٹھائیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ اسلام سے مخلص ہیں تو یہی ٹیم اقتدار میں شریک ہو کر یا اقتدار سے علیحدہ ہو کر بھی کیوں نہیں پیش کرتے۔ کیونکہ نعرہ تو اسلامی نظام کا لگاتے ہیں۔ کیا اگر جنرل صاحب کے ذریعے ان کی تربیت یافتہ افراد کے تعاون سے اسلام کا دور دورہ ہو تو وہ اسلام قبول نہ ہو گا۔

کیا واقعی اسے انتخابات کے ذریعہ ہٹایا جاسکتا ہے۔؟ ہمارے خیال میں اس کا جواب سراسر نفی میں ہے اور اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے تاریخی شواہد موجود ہیں۔ اگر کوئی بدکردار آدمی انتخابات کے ذریعہ اقتدار سے الگ کیا جاسکتا ہے تو وہ بدکرداری کیا ہوا؟ ۱۹۶۵ء میں قوم کی اکثریت نے مس فاطمہ جناح کی حمایت کر کے صدر ایوب کو اقتدار سے الگ کرنا چاہا تھا۔ مگر عوام کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ صدر ایوب اقتدار سے الگ نہ کیا جا سکا۔ اسی طرح ۱۹۷۷ء میں قوم کی اکثریت نے انتخاب کے ذریعہ بھٹو صاحب سے نجات حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ تو کیا اس اکثریت کو اپنے مشن میں کامیابی ہوئی تھی۔؟ اب ان شواہد کے بعد بھی اگر کوئی صاحب اس بات پر مصر ہوں کہ انتخابات پُرامن ذریعہ انتقالِ اقتدار ہے تو بس اس کی خوش فہمی کی داد ہی دینا چاہیئے۔

کسی بدکردار آدمی کو اقتدار سے ہٹانے کا ذریعہ صرف ایک ہی ہے اور وہ عوامی تحریک ہے، انتخابات نہیں۔ اسی تحریک کے ذریعہ صدر ایوب کو فرار کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا اور اسی عوامی تحریک کے ذریعہ قوم کو بھٹو صاحب سے نجات ملی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ پاکستان میں عوامی تحریک بھی صرف اس وقت کامیاب ہوتی ہے جب اس کے ڈانڈے اسلام سے ملائے جائیں دوسرا کوئی نظریہ تحریک میں جان نہیں ڈال سکتا۔

تصریحات بالا سے یہ بخوبی واضح ہے۔ کہ کسی بدکردار آدمی سے نجات حاصل کرنے کے لئے موجودہ طرزِ انتخاب کو ایک کامیاب ذریعہ قرار دینا تجربہ کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔

دوسری دلیل | موجودہ طرزِ انتخاب کے انعقاد کے حق میں دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے۔ کہ موجودہ طرزِ انتخاب اور اسلامی طرزِ انتخاب کے اقتضاآت میں بعد المشرقین ہے۔ ہمارے عوام مغربی طرزِ انتخاب کے قواعد و ضوابط سے تو خوب مانوس ہیں۔ لیکن اسلامی طرزِ انتخاب سے عوام کو روشناس کرانے اور ان کا ذہن ہموار کرنے کے لئے ایک طویل عرصہ درکار ہے تو کیا اس طویل مدت کے لئے انتخابات کے انعقاد سے دست کش ہو جانا چاہیئے۔؟ اس درمیانی خلا کو پُر کرنے کے لئے بہتر طرزِ عمل یہی ہے کہ انتخابی طرزِ عمل میں ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ خراب عناصر کو مشکل سے آگے بڑھنے کا موقع ملے۔ نمائندے ایسے منتخب کئے جائیں جو دیندار ہوں۔ جرائم اور بدعنوانیوں سے طبعاً نفرت کرتے ہوں۔ پھر ایسے نمائندوں کے لئے بھرپور پروپیگنڈہ کیا جائے اور انہیں کامیاب بنا کر اسمبلیوں میں بھیجا جائے۔ تاآنکہ اسمبلی میں ایسے نیک افراد کی اکثریت ہو جائے۔ موجودہ حالات میں معاشرہ کی اصلاح اور اسلامی نظام کی ترویج کی یہی واحد صورت ہے۔

کیا ووٹوں سے اسلام آسکتا ہے؟

اس دلیل کو زیادہ سے زیادہ جبری انتخاب کی شکل میں دفاعی طریقۂ کار تو کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسے مطالبے کی صورت میں ہمیں افسوس ہے کہ ہم ان حضرات کی تائید نہیں کر سکتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آج تک عوام کے ووٹوں کی اکثریت کے ذریعہ اسلام آیا ہے اور نہ کبھی آسکتا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو انبیاء علیہم السلام ضرور اس پُرامن ذریعہ انتقال اقتدار کو اپناتے بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے لئے اللہ کی کتاب قرآن کریم سے بہتر دستور ناممکن ہے اور قرآن کریم کی اشاعت و تبلیغ کے لئے جو ان تھک اور جان توڑ کوششیں اولوالعزم پیغمبران خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں۔ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ آپؐ کو جان نثار اور مخلص پیروکاروں کی ایک جماعت بھی مہیا ہو گئی جو اسلام کے عملی نفاذ کے لئے صرف تبلیغ و اشاعت اور پروپیگنڈا پر انحصار نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنی پوری کی پوری زندگیاں اسی قالب میں ڈھال لی تھیں۔ صحابہؓ کی جماعت گویا قرآنی تعلیمات کے مجسم چلتے پھرتے نمونے تھے۔ لیکن تیرہ سال کی انتھک کوششوں کے باوجود یہ تو نہ ہو سکا کہ حضورؐ اکرم مکہ میں اسلامی ریاست قائم کر لیتے۔ بلکہ جس دور کو بعض حضرات خلافت و ملوکیت کا تقابلی دور بتاتے ہیں اس دور میں یہ بات سامنے بھی آگئی۔ کہ حضرت حسینؓ اقلیت کی وجہ سے جام شہادت نوش کر گئے لیکن اکثریت کا ساتھ نہ دے سکے۔ پھر جب اس بہترین دستور کو عملاً نافذ کرنے کے لئے دنیا بھر کے بہترین کارکن اسے کثرت رائے کی بنیاد پر رائج نہیں کر سکے۔ تو آج کے دور میں یہ صورت کیونکر ممکن ہے۔؟

اسلامی نظام کی ترویج کے لئے اقتدار کی ضرورت سے انکار نہیں۔ لیکن رائے عامہ کو محض تبلیغ و ترغیب کے ذریعے ہموار کرنا اور اس طرح اسلامی انقلاب لانا ایک خیال خام ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہجرت، جہاد اور حسب حال ایسے ہی دوسرے ذرائع اختیار کرنا پڑیں گے۔ جیسا کہ انبیاء کرام اور مجاہدین اسلام کا دستور رہا ہے۔

دین پسند جماعتوں میں جماعت اسلامی ایک فعال جماعت ہے جس کی جڑیں خاصی مضبوط اور شاخیں ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اسلام کا نعرہ بلند کرنے میں اس جماعت کی کوششیں شک و شبہ سے بالا ہیں۔ مخلص کارکنوں اور صالحین کی ایک معتد بہ جماعت بھی اسے میسر ہے۔ پھر عرصۂ دراز سے وہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے تبلیغ و اشاعت کا کافی کام بھی کر رہی ہے۔ مزید براں دین پسند عوام میں

اس کی شہرت بھی اچھی ہے[1]۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود جب سے اس نے الیکشن میں حصہ لینا شروع کیا ہے۔ ہر بار وہ مایوس کن حد تک ناکامی سے دوچار ہوئی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں یحییٰ خان نے انتخابات کروائے۔ اور پاکستان کی تاریخ میں غالباً یہی ایک موقعہ ایسا آیا ہے جبکہ انتخابات فی الواقع آزادانہ اور منصفانہ وقوع پذیر ہوئے۔ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ الیکشن سے صرف ایک دن پہلے تک تمام سیاسی مبصرین اور اخبارات کی یہی رائے تھی کہ پیپلز پارٹی اور جماعت اسلامی کا انتخابی مقابلہ برابر کی چوٹ ہے لیکن جب نتیجہ نکلا تو پیپلز پارٹی بھاری اکثریت سے جیت گئی۔ جبکہ جماعت اسلامی کو صرف ۴ نشستیں حاصل ہو سکیں۔

ایسے مایوس کن نتائج سے جماعت کے کارکنوں کے حوصلے پست ہو گئے اور ان کے جذبات شدید مجروح ہوئے۔ اپنے اس دردِ نہاں کو سربراہ جماعت کے پاس لے گئے۔ مولانا مودودی صاحب نے فرمایا "جن لوگوں نے کرسی حاصل کرنے کے لئے قربانیاں دی تھیں وہ سن لیں کہ وہ غلطی پر تھے اور جنہوں نے محض رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھا تو ان کا ثواب ضائع نہیں ہوگا۔"

مولانا موصوف کا جواب بڑا معقول تھا۔ جن لوگوں نے خلوص دل سے اسلامی نظام کی ترویج کے لئے مال یا وقت کی قربانی دی تھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ لیکن یہاں اصل مسئلہ اجر کے ضیاع کا نہ تھا۔ بلکہ اسمبلیوں میں نشستیں حاصل کرنے کا تھا یا یہ سوچنے کا موقع تھا کہ آیا عوام کے ووٹوں کی کثرت سے اسلام لایا بھی جا سکتا ہے یا نہیں۔؟ یا یہ کہ کہیں ان مخلص کارکنوں کی قیادت ہی کسی غلط راستہ پر تو نہیں ہو رہی۔؟ اور ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ ایسی ناکامی محض مغربی طرز کے انتخابات کے نتیجہ میں واقع ہوئی تھی۔ کیونکہ ایسے انتخابات کے نتائج سے اصلاح و فلاح کی توقع رکھنا عبث ہے اور ہمیشہ ضلالت اور حیوانیت ہی فروغ پاتی ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک ہے۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ	(اے نبی!) اگر آپ لوگوں کی اکثریت کے

---

[1] سیلاب کے دنوں میں مختلف جماعتوں نے سیلاب زدہ افراد کی امداد و علاج کے لئے کیمپ لگائے تھے اس وقت عام لوگوں نے یہ مشاہدہ کیا کہ پیپلز پارٹی کے خیرات دہندہ لوگ، اپنے دورِ حکومت ہونے کے باوجود، اپنی امدادی رقوم جماعت اسلامی کے کیمپ میں دیا کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ جماعت اسلامی کے کارکنوں کی دیانت مسلم تھی جبکہ پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے متعلق ان کا اپنا نظریہ بھی یہ تھا کہ یہ لوگ امدادی رقوم یا اس کا اکثر حصہ خود ہی ہڑپ کر جائیں گے۔

یُضِلُّوكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ (۶/۱۱۷) پیچھے لگیں گے تو یہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔

تیسری دلیل تیسری دلیل مارشل لاء کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے۔ کہ فوج کا اصل کا سرحدوں کی حفاظت ہے حکومت کرنا نہیں ہے۔ لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ جلد از جلد انتخابات کروا کر اپنے اصل کام کی طرف توجہ دے۔ اس وقت فوج کی توجہ حکومت اور سرحدی حفاظت دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے اور آج جبکہ ہمسایہ ملک افغانستان میں جنگ کی وجہ سے سرحدوں کی حفاظت کی ضرورت بھی زیادہ ہے تو فوج کو جلد از جلد اقتدار سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔

اور جن لوگوں کے ذہن میں سرکشی، رعونت اور انتقام کا عنصر موجود ہے، وہ ان معانی کو الفاظ کا یہ جامہ پہناتے ہیں۔ کہ فوج ہماری چوکیدار ہے۔ چوکیدار کا کیا حق ہے کہ وہ گھر کا مالک بن بیٹھے۔

کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے ملک میں تیسری بار مارشل لاء لگ چکا ہے اگر چوتھی بار بھی لگ گیا تو دوسرے ممالک کو پاکستان میں مداخلت کا جواز مل جائے گا اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ جس ملک میں مارشل لاء لگ جائے وہ پچاس برس پیچھے جا پڑتا ہے۔

یہ سب باتیں جمہوریت کے پرستاروں کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آج تک ملک کو شرابی حکمرانوں اور سیاسی بھیڑیوں سے فوج ہی بچاتی چلی آ رہی ہے۔ ورنہ کب کا معاملہ صاف ہو چکا ہوتا۔ مارشل لاء کے دور میں ہی ملک کو کچھ نہ کچھ استحکام نصیب ہوتا رہا۔ اس لحاظ سے مارشل لاء عوام اور پاکستان کے لئے کئی بار باعثِ رحمت ثابت ہوا۔ رہا سرحدوں کی حفاظت کا مسئلہ اور سرحدوں پر جنگ کا خطرہ تو اس قسم کے خطرہ سے سیاسی لیڈر حسب ضرورت ڈراتے ہی آئے ہیں۔ جب ۱۹۷۷ء میں تحریک چلی تو اس وقت بھی خطرہ تھا اور آج بھی خطرہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ جنگ کی صورت پیش آجائے تو اندرونی خلفشار جیسا ہو گا۔ جنگ کے دوران قوم بنیان مرصوص بن ہی جایا کرتی ہے۔

اس کے برعکس اصل خطرہ انتخابات سے ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

انتخابات کا التوا کیوں ناگزیر ہے

یہ تو قومی اتحاد کی خوش فہمی ہے کہ وہ الیکشن جیت جائے گی اور جیتنے کے بعد ملک میں اسلامی نظام نافذ کرے گی۔ لیکن موجودہ صورتحال سے متعلق عمومی تاثر کچھ ایسا ہے کہ موجودہ الیکشن میں پھر لادین سیاستدانوں کے جیتنے کا امکان ہے۔ پیپلز پارٹی تو اب

اپنے نعرہ سے "اسلام ہمارا دین ہے" سے بھی دست بردار ہو چکی ہے اور بر ملا سوشلزم کا نعرہ لگانے لگی ہے پھر بھٹو کا انتقام لینا اس کے پروگرام میں شامل ہے، خفیہ ایریشین لائنز تجویز ہو رہی ہیں اور جن جن افراد کو نشانہ بنانا ہے ان کی خفیہ فہرستیں بھی مرتب ہو رہی ہیں۔ اگر موجودہ انتخابات میں کوئی ایسی پارٹی برسر اقتدار آگئی تو اسلام اور علمائے دین کا جو حشر ہو گا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ حالات کا رخ بتا رہا ہے کہ کسی مرحلہ پر دین بیزار پارٹیوں کا اسلام پسندوں کے خلاف محاذ بنے گا۔ خواہ آپس میں ان کے دل کبیدہ ہی کیوں نہ ہوں۔ دینداروں کے خلاف ہمیشہ ایسے محاذ بنتے آئے ہیں۔ ایسی صورت میں تو ان کے بازی لے جانے کا قوی امکان ہے کیونکہ غیر ملکی مفادات بھی انہی سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا بیرونی سرمایہ پانی کی طرح بہے گا۔ یہ اتحاد صوبائی خود مختاری کے نام پر ملک کی سالمیت کو تباہ کرے گا۔ بیرونی مداخلت کا سلسلہ بھی چل نکلنے کا امکان ہے۔ اندرونی حالات اسلام اور اسلامی نظام کا جو حشر ہو گا وہ ہر صاحبِ بصیرت کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

اس کے بعد قومی اتحاد کے جیتنے کا جو امکان رہ جاتا ہے وہ ہماری نظر میں بہت کم ہے۔ کیونکہ اس میں افتراق و انتشار کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اگر یہ جماعت جیت بھی جائے تو اس کے داخلی مسائل اتنے زیادہ اٹھ کھڑے ہوں گے کہ اسے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اور اس پر بھرپور توجہ صرف کرنے کا موقع ملنا ہی مشکل نظر آتا ہے اور اس کا وہی حال ہو گا۔ جیسا بھارت میں جنتا پارٹی کا ہوا۔ پھر ایسی اکثریت جو دستور میں ترمیموں کا از حد ضروری کام کر سکے اس کا تو امکان ہی بعید ہے۔

اب غور فرمائیے کہ ان صورتوں میں کوئی ایک صورت بھی پیش آگئی۔ تو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جو موقع آج بھی میسر ہے۔ وہ بھی ہاتھ سے نکل چکا ہو گا —— ان حالات میں کیا یہی مناسب نہیں کہ موجودہ حکومت کا جو سرکاری سطح پر اسلامی نظام کے نافذ کرنے میں کوشاں ہے ہر ممکن طریق سے ہاتھ بٹایا جائے۔ اور اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو ابھی اسلامی طرزِ انتخاب سے روشناس کرایا اور ان کے ذہنوں کو اس کے لئے ہموار کیا جائے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

انتخابات کرانے کے حامیوں کی طرف سے یہ اعتراض بڑے شدومد سے اٹھایا جا رہا ہے کہ اگر مغربی طرز کے انتخابات اسلامی نقطۂ نگاہ سے ناجائز ہیں تو یہ آواز آج سے پہلے کیوں نہیں اٹھائی گئی۔ پاکستان کی دستور سازی کی تاریخ میں اس کا ذکر تک نہیں ملتا جب مختلف مکاتبِ فکر

کے ۲۲ علمائے دین کے تعاون اور اتفاق سے قرار داد مقاصد منظور ہوئی تھی۔ اسی طرح ۱۹۵۶ء میں جب دستور مکمل ہوا۔ تو تمام سیاسی حلقوں نے اسے بہترین اسلامی دستور کی حیثیت سے قبول کیا۔ بعدازاں بھی کسی دور میں موجودہ طرزِ انتخاب کی مخالفت نہیں کی گئی۔ نہ ہی اسلامی طرزِ انتخاب پیش کرنے کے متعلق کچھ کام ہوا۔ آخر اس نکتے کو آج ہی اتنی اہمیت کیوں ملی؟

لطف کی بات ہے کہ قومی اتحاد کے ایک ممتاز رہنما نے ایک جلسہ میں تقریر کے دوران یہاں تک کہہ دیا کہ جس حدیث کی رو سے فلاں فلاں مولانا الیکشن کے لئے کھڑے ہوئے تھے اس حدیث کی رو سے بھی موجودہ الیکشن بھی جائز ہیں اور ساتھ ہی یہ فقرہ بھی چست کر دیا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ یہ تار کسی اور جگہ سے ہلائی جا رہی ہے۔"

غور فرمائیے کہ اس قسم کے طرزِ استدلال سے کسی کو مطمئن کیا جا سکتا ہے۔ ایک طرف سے پرزور دلائل پیش کئے جا رہے ہیں تو دوسری طرف سے مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا کی دلیل سے جواب دیا جا رہا ہے۔

اب ہم مغربی طرزِ انتخاب کے ناجائز ہونے کے قرآن و سنت سے دلائل پیش کریں گے جن کا ہمیں قرآن و سنت ہی سے جواب بھی درکار ہے۔ پھر اس کے بعد اس بات کا جائزہ لیں گے کہ آیا آج سے پہلے کسی نے مغربی جمہوریت کے خلاف آواز اٹھائی ہے یا نہیں؟

مغربی طرزِ انتخاب کے ناجائز ہونے کے دلائل

۱۔ **اکثریت کا تتبع** اس طرزِ انتخاب کی بنیاد عوام کے ووٹوں کی کثرت و قلت پر ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ اگر آپ عام لوگوں کی اکثریت کے پیچھے لگیں گے تو وہ آپ کو گمراہ کر دیں گے۔ ارشادِ باری ہے:۔

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (الانعام)	اگر آپ اکثریت کے پیچھے لگ گئے تو وہ آپ کو راہِ ہدایت سے بہکا دیں گے۔

۲۔ **کرسی کی ہوس** ارشاد نبوی ہے:۔

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ نَوْمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ	"دو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑے ہوئے دو بھوکے بھیڑیے اتنی تباہی نہیں مچا سکتے جتنی انسان کی حبّ جاہ و مال اس کے

وَالشَّرَفِ لِدِیْنِہٖ (ترمذی)

دین کے لئے تباہ کن ہو سکتی ہے۔

۳۔ درخواست امیدواری ارشاد نبوی ہے:۔

اِنَّا وَاللّٰہِ مَا نُوَلِّیْ عَلٰی ھٰذَا الْعَمَلِ اَحَدًا سَاَلَہٗ وَلَا اَحَدًا حَرَصَ عَلَیْہِ

"خدا کی قسم ہم کسی ایسے شخص کو حاکم نہیں بناتے جو اس کے لئے درخواست کرے اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو حاکم بناتے ہیں جو اس کی حرص رکھتا ہو"

وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ "لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰی عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَہٗ (متفق علیہ)

ایک دوسری روایت میں یوں ہے آپ نے فرمایا "ہم اپنے انتظامی امور میں کسی ایسے شخص کو شامل نہیں کرتے جو اس کا ارادہ رکھتا ہو۔"

۴۔ بدکردار آدمی کی رائے اس بات سے قطع نظر کہ ووٹ بیعت کے قائم مقام ہے یا نہیں۔ اگر بقول جمہوریت پسندوں کے ووٹ ایک مقدس امانت اور پاکیزہ شہادت ہے تو موجودہ طرزِ انتخاب میں ہر برے بھلے کو ووٹ دینے کا یکساں حق دیا گیا ہے۔ لیکن اسلام میں بدکردار آدمی کی شہادت قابلِ قبول نہیں۔ ارشاد باری ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَۃً اَبَدًا (۲۴/۴)

جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش نہیں کر سکتے ان کو اسّی دُرّے مارو اور آئندہ کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو۔

۵۔ برے اور بھلے کی رائے یکساں نہیں ہو سکتی ارشادِ باری ہے۔

قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ ۔ (۵/۱۰۰)

(اے پیغمبر) ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ آیا برے اور بھلے لوگ ایک جیسے ہو سکتے ہیں اگرچہ برے لوگوں کی کثرت تمہیں بھلی ہی کیوں نہ لگے۔

اسی طرح ایک بے شعور اور جاہل انسان کی رائے کی قدر و قیمت بھی وہی قرار نہیں دی جا سکتی جو ایک عالم اور باشعور انسان کی رائے کی قیمت ہوتی ہے ارشاد باری ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کیا عالم اور بے عالم برابر ہو سکتے ہیں؟

نیز قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ۝ (۱۳/۱۶) اے پیغمبر! ان سے پوچھئے کہ آیا بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں۔؟

۶۔ عورت کا حق رائے دہندگی | ریاست و سیاست کے میدان میں اسلام مساوات مرد و زن کا قائل نہیں ذمہ داری کے مناصب یا کلیدی اسامیاں (وزارت ہو یا صدارت یا کسی محکمہ کی ادارت) عورتوں کے سپرد نہیں کی جا سکتی۔ اس کا مقام شمع خانہ ہے رونق محفل نہیں۔

حضور اکرمؐ کو جب یہ اطلاع ملی کہ بنت کسریٰ (پوران، نوشیروان کی پوتی) کو اہل فارس نے بادشاہ بنا لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا:

كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً (بخاری) "وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنا سربراہ ایک عورت کو بنا لیا ہے۔"

ووٹ دینے کے سلسلے میں اگر اختلاط مرد و زن، یا بے حیائی اور فحاشی کا خطرہ بھی ہو تو ایسی صورتوں میں عورت کو ووٹ دینے کی قطعاً اجازت نہیں دی جا سکتی اور اس پر قرآن کریم کی بےشمار آیات شاہد ہیں۔

۷۔ قانون سازی | انسانوں کے لئے قانون دستور سازی کے جواز اور اس کی تفصیلات سے قطع نظر اگر اسمبلیوں میں کثرت رائے کا احترام کرتے ہوئے ایسے قانون بنائے جائیں جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہوں، جیسے سود کا جواز، شراب کی حالت، یا ہم جنس کا نکاح وغیرہ تو یہ شرک ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ
〃 〃 〃 الظّٰلِمُونَ
〃 〃 〃 الْفٰسِقُونَ
(۴۴، ۴۵، ۴۷ / ۵)

اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (کتاب و سنت) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ کافر ہیں ـــــ ظالم ہیں ـــــ فاسق ہیں۔

۸۔ تفرقہ بازی | اس طرزِ انتخاب میں الیکشن کے دوران بے شمار سیاسی پارٹیاں جنم لیتی اور جوڑ توڑ میں مصروف ہو کر ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا ہو جاتی ہیں اور ملی وحدت کو پارہ پارہ کر کے افتراق انتشار کا باعث بنتی ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے یہ بات شرک کے مترادف ہے۔ ارشاد باری ہے۔

أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ نماز قائم کرتے رہو اور مشرکین سے نہ

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا (۳۰ : ۳۱-۳۲)

ہو جاؤ (یعنی ان سے) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقہ فرقہ ہو گئے [1]

۹۔ حریف کی تذلیل | اس طرزِ انتخاب میں سیاسی سرگرمیوں کی مدت میں اپنے سیاسی حریف پر کیچڑ اچھالنے، اس پر الزام لگانے، بہتان تراشی کرنے، اس کے رازہائے درون اور گناہ ہائے تاریک کا پردہ فاش کرنے پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی۔ حالانکہ یہ چیزیں شرعی احکامات کی رو سے حرام اور کبیرہ گناہ ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ (۴۹ : ۱۱)

اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری کا تمسخر نہ اڑائے (عین ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں۔

اور حضور اکرمؐ نے حجۃ الوداع کے عظیم الشان خطبہ میں جسے انسانی حقوق کے چارٹر کا مقام حاصل ہے مسلمانوں سے یوں خطاب فرمایا۔

"مسلمانو! تم پر ایک دوسرے کی جانیں، مال اور عزت اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ شہر (مکہ) اور یہ مہینہ (ذی الحجہ) اور آج کا (عرفہ کا) دن حرمت والے ہیں۔"

۱۰۔ اسراف و تبذیر | ہر درخواست دہندہ الیکشن کے دوران اپنی کنویسنگ پر پانی کی طرح پیسہ بہاتا ہے جبکہ یہ ہوس اقتدار، درخواست گزاری اور ان کے لئے کنویسنگ سب ناجائز امور ہیں۔ اور ان پر خرچ کرنا تبذیر ہے۔ عوام کا کاروباری نقصان الگ اور قومی خزانہ پر اخراجات کا بار الگ ہوتا ہے یہ طرزِ انتخاب دراصل مغربی عیاشی کی ایک شکل ہے۔ پاکستان جیسا غریب ملک اس کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ ان اخراجات میں کچھ اسراف کی تعریف میں آتے ہیں اور بعض دوسرے تبذیر میں اور یہ دونوں چیزیں مذموم فعل ہیں، ارشاد باری ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (۱۷ : ۲۷)

بلا ضرورت خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

---

[1] واضح رہے کہ اسلام میں سیاست بھی دین ہے اس لئے سیاسی تفرقہ بازی کو دین سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مغربی جمہوریت کے یہ نقصانات اور شریعت مطہرہ کی رو سے عدم جواز آج ہی یک لخت منظرِ عام پر آگئے ہیں۔ یا پیشتر ازیں بھی کسی نے ان کی نشاندہی کی ہے۔

ڈاکٹر اقبال ـــــ جو نظریاتی طور پر پاکستان کے بانی ہیں اور پاکستان میں ہر طبقہ ان کے پیغام کو گوشِ ہوش سے سنتا ہے ـــــ نے قیام پاکستان سے بہت پیشتر مسلمانوں کو مغربی جمہوریت کے نقائص اور تباہ کاریوں سے پوری طرح آگاہ کر دیا۔

آپ کو اس طرزِ انتخاب پر پہلا اعتراض یہ تھا کہ اس میں ہر ایرے غیرے سے ووٹ لیا جاتا ہے اور ایسے ووٹ کی قدر و قیمت بھی وہی کچھ ہوتی ہے جو ایک ذی شعور اور تجربہ کار انسان کے ووٹ کی ہوتی ہے۔ اسے وہ خلافِ عقل قرار دیتے ہیں۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر دو سو گدھوں کی عقل اکٹھی ہو جائے تو بھی وہ ایک پختہ کار انسان کی عقل کے برابر نہیں ہو سکتی۔ فرماتے ہیں۔ ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو کہ از مغز دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

مغربی طرزِ انتخاب اسی قباحت کو ایک دوسرے مقام پر یوں واضح کرتے ہیں۔ ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ڈاکٹر موصوف کو اس طرزِ انتخاب پر دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہ ملی وحدت کا شیرازہ بکھیر دیتا ہے جس سے غیر ملکی نظریات فروغ پاتے ہیں اور ملک کی آزادی ہر آن خطرہ میں رہتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت بنائے خوب آزادی کے پھندے

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

وہ اس طرزِ انتخاب کی تباہ کاریوں سے خوب واقف تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ اس کی ظاہری شکل و ہیئت دیکھ کر دھوکا نہ کھا جائیں۔ کیونکہ یہ نظام بھی فی الحقیقت جبر و استبداد کی ایک نئی شکل ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری

اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو آہ اے نادان قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

درج بالا تصریحات میں ڈاکٹر موصوف نے اس طرزِ حکومت کی خرابیوں کی طرف بڑے واضح الفاظ میں نشاندہی کر دی ہے۔

علامہ اقبال کے بعد بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کو ہر طبقہ میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور ان کے ارشادات و فرمودات پر عمل کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ جمہوریت کے متعلق ان کا ریویو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں ۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء کو جو تقریر فرمائی۔ اس کے درج ذیل اقتباس پر غور فرمائیے۔

"میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ جمہوری یا پارلیمانی نظام حکومت، جیسا کہ انگلستان اور بعض دوسرے مغربی ممالک میں ہے۔ برصغیر کے لئے قطعاً غیر موزوں ہے۔ ...... (نوائے وقت، ۱۱ جون ۱۹۸۹ء)

اس اقتباس میں بار بار کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قائد اعظمؒ یہ حقیقت کئی بار مسلمانوں کو سمجھا چکے تھے۔

رہا یہ سوال کیا کسی عالم دین نے آج تک اس طرزِ انتخاب کو جائز قرار دیا۔؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انگریز بہادر جب تہذیب کے بیج یہاں بو گیا تھا۔ اس نے علمائے دین کے وقار کو معاشرہ کی نظروں میں ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ علمائے حق اس وقت بھی حق کی بات کہتے رہے۔ مجموعی طور پر نہ سہی انفرادی ہی سہی۔ تاہم کہیں نہ کہیں سے یہ صدا اٹھتی رہی۔ مگر اس نقار خانے میں طوطی کی صدا کون سنتا تھا۔

معاصر جریدہ ترجمان القرآن نے دستور سازی کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے۔ ۱۹۴۹ء میں جب قرار دادِ مقاصد منظور ہوئی تو مختلف مکاتب فکر کے ۲۲ علماء نے یہی غنیمت سمجھا کہ چلو جمہوریت کے ساتھ اللہ کی حاکمیت اور اسلام کا نام تو آگیا ہے۔ اس قرار داد کی شق نمبر ۳ کے الفاظ یہ تھے۔

"جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے اصولوں پر اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کیا جائے گا۔" اب اس جمہوریت کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانا علماء سے زیادہ حکومت کی ذمہ داری تھی۔ کیا کبھی اسلامی نظریاتی کونسل یا اسلامی مشاورتی کونسل کی سفارشات کو "جو قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے پر مشتمل ہوتی تھیں ـــ ایوان حکومت میں کبھی شرفِ قبولیت بخشا گیا۔ پاکستان کے دین بیزار سربراہ عوام کو مطمئن کرنے کے لئے ایسی کونسلیں تو تشکیل دے دیا کرتے تھے لیکن انگریز کی یہ معنوی ذریت اسلام سے کبھی مخلص نہ رہی۔ سابقہ ادوار اور آج کے دور میں صرف یہ فرق ہے کہ آج کا سربراہ مملکت اسلام کے ساتھ مخلص ہے، وہ علماء کی قدر کرتا اور ان کی بات سنتا ہے۔ علماء کی کہی بات آج ایوان حکومت اور اسی طرح سیاسی سطح تک پہنچ جاتی ہے جو

اس سے پہلے نہیں پہنچ پائی تھی۔[1] یہی وجہ ہے کہ اس وقت علماء کی طرف سے جواز یا عدم جواز کی بحث کی ضرورت پوری کی جا رہی ہے ورنہ اس سے قبل تو کبھی انتخابات کے خلاف اس آواز کو سننا بھی گوارا نہیں کیا گیا بلکہ حتمی طور پر انتخابات کے اعلانات ہوتے رہے اور علماء بھی اسے اضطراری صورت سمجھ کر خاموش رہے کیونکہ جب حکومت انتخابات کرا رہی ہو تو اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بھی درست نہیں کہ اقتدار کے سرچشمے کلی طور پر لادین عناصر کے قبضے میں دیکر دیندار میدان سے ہٹ جائیں بلکہ اس صورت دفاع اسلام کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے کہ اس وقت کسی نہ کسی صورت لادینیت کے سامنے رکاوٹ پیدا کی جائے تاکہ برائی کا زور کم ہو جائے۔ اس صورت میں دفاعی نقطۂ نظر سے انتخابات میں حصہ لینے کا شرعی جواز بھی پیدا ہو جاتا ہے لیکن موجودہ حالات میں جو بحث چل رہی ہے وہ فروغ اسلام یا شریعت کے عملی نفاذ کے لئے انتخابات اور جمہوریت کی ہے۔

لہٰذا مغربی طرزِ انتخاب کے عدم جواز کے لئے جو قرآنی آیات یا احادیث پیش کی گئی ہیں، ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ قومی اتحاد کے دینی رہنما ان سے یا اسلامی طرزِ انتخاب[2] سے ناواقف ہوں گے چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ان آیات و احادیث کا جواب قرآن و سنت سے ہی پیش کرتے یا ان کی کوئی واضح تر اور صحیح تر توجیہہ بیان فرماتے۔ ہم یہ پوچھتے ہیں کیا ان کے عدم قبول کی یہ وجہ معقول اور کافی ہے کہ انہیں اس شد و مد سے آج سے پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا جیسے کہ آج کیا جا رہا ہے۔ کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ جن حضرات کے مفادات پر زد پڑنے کا امکان ہے وہ اب چیخنے لگے ہیں کہ ؎

ہائے اس کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا۔

عبدالرحمٰن کیلانی

---

[1] یہ غلط فہمی نہ رہے کہ اس بارے میں علمی میدان خالی ہے۔ علماء کی ضخیم کتابیں اس مواد پر موجود ہیں البتہ اس حد تک یہ بات درست ہے کہ عوامی سطح پر اس کا شور و غوغا حالات کی ناموافقت سے نہیں ہو سکا۔ اب حالات ایسے سامنے آئے ہیں کہ عوام بھی انتخاب نہیں چاہتے اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ آواز پہلی دفعہ اٹھی ہے۔

[2] اسلامی طرزِ انتخاب پر بہت کچھ کام ہو بھی چکا ہے اور اگر نیت بخیر ہو تو قلیل عرصہ میں مزید بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ اس طرزِ انتخاب سے عوام کو روشناس کرنے کے لئے ایک طویل مدت کی ضرورت ہمارے خیال میں عذرِ لنگ کے علاوہ کچھ نہیں۔

دارالافتاء

عزیز زبیدی

استفتاء

ضلع مظفر پارکر سے ایک طالب علم لکھتے ہیں :-

۱۔ ہمارے ایک مولوی صاحب برسی کی دعوت میں شریک ہونے ، وہاں سے کھانا کھایا نیز کھانا اور مٹھائی قبر پہ لے گئے جہاں قرآن خوانی کی گئی پھر وہ مٹھائی اور کھانا تقسیم کیا ، میں نے کہا کہ یہ سنت کے خلاف ہے ، بدعت ہے ۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ، اگر ہو تو پیش کرو پھر مجھے مدرسہ سے نکال دیا ۔

کیا واقعی اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے اور یہ بھی کچھ جائز ہے ؟

۲۔ اور مولوی صاحب کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں ایسا کوئی مقام نہیں ہے جس کا جواب مقتدی کو دینا چاہیے ، صحیح کیا ہے ؟

الجواب :-

قبرستان ایک ایسے عبرت آموز شہر خاموشاں کا نام ہے ۔ جہاں بے بسی برستی ہے اور زندگی نوحہ کناں نظر آتی ہے ۔ وہاں کام و دہن کے چٹخاروں کا ہوش کہاں ، اگر ابھی ان چٹخاروں کی گنجائش وہاں باقی ہے تو پھر وہ قبرستان کہاں ؟ یہ قبرستان ہے ، حلوائی کی دکان نہیں ہے کہ وہاں مٹھائیوں کا شوق پورا کیجئے ۔ یہ مذبح خانہ ہے ، نہ کوئی بت خانہ کہ وہاں بکروں چھتروں کے نذرانے پیش کیے جائیں ۔

حیرت ہے کہ ان دوستوں کو قبرستان میں جا کر بھی کھانے اور لطف اندوز ہونے کا ہی ابھی ہوش رہتا ہے حالانکہ حضورؐ اگر اس میں قدم رکھ لیتے تو رو رو کر مٹی تر کر دیتے تھے ۔

عن البراء قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فجلس علی شفیر القبر فبکی حتی بل الثری ثم قال یا اخوانی لمثل ھذا فاعدوا ۔

(ابن ماجہ باب الحزن والبکاء ص ۳۱۹)

حضرت براء فرماتے ہیں ہم (ایک دن) جنازہ میں حضورؐ کے ہمراہ تھے تو ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے ، پھر اتنا روئے کہ زمین کی مٹی بھیگ گئی ۔ پھر فرمایا بھائیو ! اس جیسے مقام کے لیے سامان کر لو ۔

ایک دفعہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر میں تھے، جب رات ہوئی تو حضورؐ مجھے سوتا چھوڑ کر کھسک گئے۔ میں آپ کے پیچھے ہو لی، دیکھا تو آپ (مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان) جنت البقیع میں جا پہنچے اور تین بار دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، پھر میں آپ سے پہلے گھر واپس پہنچ گئی۔ آپ کو اس کا پتہ چل گیا۔ آپ نے فرمایا: جبرائیل نے مجھے آکر کہا کہ آپ ان کے لیے یعنی جنت البقیع کے مُردوں کے لیے بخشش کی دعا کریں۔

فامرنی ان آتی البقیع فاستغفر لھم (نسائی صـ۲۸۶ باب الامر بالاستغفار للمومنین)

روایت میں آیا ہے کہ ان کے لیے دعا و استغفار کے لیے تین بار ہاتھ اٹھائے اور کافی دیر تک اس میں مصروف رہے (فاطال صـ۲۸۶ نسائی)

حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو حضورؐ! میں کیسے کیا کروں؟ فرمایا: یوں!

السلام علی اھل الدیار من المومنین والمسلمین و یرحم اللہ المستقدمین منا و المستاخرین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون (نسائی صـ۲۸۶)

اس دیس کے رہنے والے مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے جو ہم میں سے پہلے چلے گئے یا پیچھے، ہم بھی ان شاء اللہ تم سے آکر ملنے والے ہیں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ:۔

جب کبھی رات کو، رات کے پچھلے حصے میں جنت البقیع تشریف لے گئے ہیں تو یہ دعا پڑھی ہے:

السلام علیکم دار قوم مومنین انا وایاکم متواعدون غدا و مواکلون وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل بقیع الغرقد

(نسائی باب مذکور صـ۲۸۶)

انہی سے یہ دعا بھی مروی ہے کہ: آپ جب کبھی کسی قبرستان تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

السلام علیکم اھل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون، انتم لنا فرط و نحن لکم تبع اسأل اللہ العافیۃ لنا و لکم (نسائی۔ ایضاً)

اے (اس) دیس کے مسلمان (باسیو) تم پر سلام، ہم بھی تم سے آکر ملنے والے ہیں، تم ہم سے پیش رو ہو، ہم تمہارے پیچھے پیچھے آنے کو ہیں، تمہارے لیے اور اپنے لیے اللہ سے عافیت اور سلامتی کی درخواست کرتے ہیں۔

حضورؐ اپنی والدہ کی قبر پہ پہنچے تو خود بھی روئے اور ساتھیوں کو بھی رُلایا۔

زار النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر امہ فبکی وابکی من حولہ۔

(رواہ مسلم ص۳۱۴ ج۱)

مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کا بھی یہی حال تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب کبھی کسی قبر پہ گزر ہوتا تو دیکھ کر اتنا روتے کہ اُن کی ڈاڑھی بھیگ جاتی۔ (مسند احمد ص۶۳ ج۱)

الغرض اہل دل لوگ قبروں پر جاکر رو رو کر نڈھال ہوتے ہیں، وہ بیٹھ نہیں ہوتے کہ وہاں جاکر بھی کھانے پینے کا ہی شوق منائیں۔

اہل قبور آپ کی مٹھائیوں اور قرآن خوانی کے منتظر نہیں ہوتے، وہ تو آپ کی دُعاؤں کے محتاج ہوتے ہیں، جیسے ڈوبتا بندہ پکارتا ہے کہ کوئی جاکر اس کو تھام لے: یعنی ماں باپ، بھائی بند اور دوست احباب اس کے لیے ہدیہ سے دُعا کریں۔

ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق۔

(شعب الایمان، البیہقی، مشکوٰۃ ص۲۰۶ کتاب الاسماء فی الاستغفار)

مٹھائی تو کیا، فرمایا دنیا ومافیہا سے بھی زیادہ اُن کو یہ دعائیں عزیز ہوتی ہیں:

فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا ومافیہا (شعب الایمان)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ابھائیوں کی طرف سے اپنے مُردوں کے لیے استغفار سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں۔

وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم۔

(شعب الایمان۔ مشکوٰۃ ص۲۰۶)

اولاد کی دعائیں اُن کے لیے بڑے کام کی اکسیر ہیں۔

یارب انّٰی لی ھذہ یقول باستغفار ولدک لک (مشکوٰۃ، احمد)

قرآن و حدیث کے مجموعی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں جانے سے غرض:۔

۱۔ درس عبرت ہے۔ ۲۔ موت کی یاد ہے۔

۳۔ اہل ایمان کے لیے دُعاء استغفار ہے۔

۴۔ غیر مسلموں سے خطاب کر: کیا تم نے وہ سب کچھ دیکھ لیا، جس کو تم جھٹلاتے رہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۳۹ھ) بھی یہی لکھتے ہیں:

مقصود شرع آن است کہ از موت بیت عبرت گیرند و بلا بینند و در تفکر آخرت مشغول شوند و از غفلت ہشیار شوند (فتاویٰ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جاتے تو صرف دعا اور استغفار کے لیے۔

عادت شریف آن بود کہ گذشتگان را زیارت می کرد از برائے دعا و ترحم و استغفار۔

(مدارج النبوۃ شاہ عبدالحق محدث دہلوی)

اس کے ماسوا ہمارے دوستوں نے جتنے اور جیسے کچھ نمونے ایجاد فرمائے ہیں، قرآن و حدیث میں ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اس سلسلے میں صحیح ضابطہ یہ ہے کہ:

جو امور حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے، اور رکاوٹ بھی کوئی نہیں تھی، لیکن آپ نے ان کو اختیار نہیں فرمایا، تو اب اگر ان کو دین بنانے کی کوشش کرے گا تو وہ شرعاً بدعت کہلائیں گے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں قبرستان موجود تھے، آپ کا ان پر گذر بھی ہوتا تھا اور کبھی کبھار خود بھی تشریف لے جاتے تھے، بعض اہل قبور کے سلسلے میں آپ نے بے اطمینانی بھی محسوس فرمائی۔ لیکن اس کے باوجود، نہ وہاں قرآن خوانی کرائی، نہ کھانا، پھل اور مٹھائی وغیرہ تقسیم کی۔ حالانکہ قبرستان بھی تھے، اور آپ کر بھی سکتے تھے، مگر یہ باتیں نہیں کیں، جو یہ دوست کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کی ضرورت نہیں تھی اور نہ اس میں اہل قبر کے لیے کوئی مفید بات تھی۔ ورنہ قطعاً آپ ان سے اغماض نہ فرماتے۔

ہاں اگر کیا تو صرف یہ کیا کہ ان کے لیے دعا فرمائی، استغفار کیا جیسا کہ جنت البقیع میں جا کر کیا کرتے تھے یا یہ فرمایا کہ قبروں کو جا کر دیکھا کرو، اس سے دنیا کی ہوس گھٹتی ہے، آخرت اور موت یاد آتی ہے فانها تزهد فی الدنیا و تذکر الآخرۃ (ابن ماجہ)

در اصل ارواح کے سلسلے کے یہ نذرانے، ایصال ثواب اور خیرات، عہد جاہلیت کے باقیات میں سے کچھ ترمیم شدہ شکلیں ہیں، کیونکہ بت پرستی ایک ایسی راسخ ضلالت ہے کہ اب اس کے متداول طریقوں کو اپنانا آسان بات نہیں تھی، کیونکہ کلمہ پڑھ لیا تھا، مگر عہد جاہلیت کے ارواحوں کے چکر سے یہ لوگ نہ نکل سکے۔

اہل جاہلیت "ریام نامی ہیکل" کی بڑی تکریم کیا کرتے تھے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے، دوسری صدی ہجری تک اس عمارت پر قربانی کے خون کے نشانات باقی تھے (ملاحظہ ہو یاقوت لفظ "ریام")۔

ذوالخلصہ ہیکل پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ (ریاقرت، لفظ ذو الخلصہ) بُت خانوں کی آبادی اور مصارف کے لیے لوگ اپنی آمدنی کا ایک خاص حصہ ان کی نذر کیا کرتے تھے۔ ستارہ پرست قوموں کے متعلق آیا ہے کہ وہ بڑے بڑے اونچے اونچے ستون یا ہیکل بنائے جاتے تھے یا پہاڑوں پر بت خانے اور مذبح تیار ہوتے تھے۔ اپنی، بچوں کی اور مویشی کی صحت و سلامتی کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ ہبل نامی بُت کے لیے اونٹ کی قربانی سب سے بہتر سمجھی جاتی تھی۔ لوبان اور دیگر بخورات اُن کے لیے جلائے جاتے تھے، اصحاب الحجر کے کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان کا صحن اُن کے نزدیک حرم کا حکم رکھتا تھا، لات نامی بُت اس پر بھی چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ قربانیاں ہوتی تھیں، ان کی نذریں مانی جاتی تھیں، لوگ ان کی یاترا کو آتے تھے (ماخوذ از ارض القرآن)

اپنے مردوں کی نجات اور بخشش کے لیے بھی اُن کے ہاں رواج پایا جاتا تھا چنانچہ لکھا ہے کہ:

"عام عقیدہ یہ تھا کہ جو آدمی کسی دفن کے یہ رسوم، جن میں پوجا پاٹ، جادو، ٹوٹکا اور منتر وغیرہ شامل تھے، ادا کرے وہ اپنے متوفی رشتہ دار کے لیے نجات کا بندوبست کر دے گا۔"

(اسلام اور مذاہب عالم ج۱ ص۹)

یہ چند سرسری نمونے ہیں، جن سے غرض یہ ہے کہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ جو کچھ آج کل کر رہے ہیں، عہد جاہلیت میں بھی اُن کا رواج تھا، جن کی اصلاح کے لیے انبیاء کرام کو بڑی جدوجہد کرنا پڑی تھی، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ کافر ہو کر ایسا کرتے تھے اور ہم کلمہ پڑھ کر سب کچھ کیے جا رہے ہیں۔

اب مسلمان صرف پوجا (یعنی سجدہ) نہیں کرتے، کیونکہ کلمہ پڑھنے کے بعد ایسا مشکل ہو گیا ہے، باقی جو کچھ اور جیسے کچھ اوہام پرستی اُن کے ہاں مروج تھی وہ بھی کچھ ہمارے ہاں بھی رواج پا گئی ہے۔ کبھی ارواح دینے کے بہانے قبروں کو اٹھ دوڑتے ہیں، کبھی نذر و نیاز کے تصور سے اُن کے ہاں حاضری دیتے ہیں اور کبھی اُن کو سفارشی بنا کر اپنی بگڑی بنانے کے جتن کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (پ۲۴۔ زمر ع۴)

"کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے۔"؟

باقی رہی ارواح دینے کی باتیں، سو وہ دراصل "ارزاں نجات اور سستی بخشش" کے سودائیوں کے لیے ایک حیلہ تجویز کیا گیا ہے تا کہ ع

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

کے بول پورے ہوں، عمر بھر حماقتوں میں مصروف رہے جب مر گئے تو ورثاء دو چپڑی روٹیوں، حلوے مانڈے

کی چار چلیٹوں، اور زندہ چھتروں اور بکروں کی قربانیوں، ملاں کے "معروف ختم" کے دو بلوں اور چار قوالوں کے طبلوں کی تھاپ دے کر اس کے لیے "بہشت" خریدنے کے جتن کرنے لگ جاتے ہیں۔ اللہ کے بندو! خدا کہتا ہے کہ: دوسرے کے کرنے سے کچھ سے کچھ نہیں ہوتا تمہارے کام صرف وہ آئے گا جو خود کر کے لاؤ گے۔

لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (پ۲۷۔ النجم ع۳)

"آدمی کو صرف وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا۔"

فرمایا: جو کچھ اس نے کمایا ہے، وہ اس کو ضرور دکھایا جائے گا اور پھر اس کا پورا پورا بدلہ اس کو دیا جائے گا۔

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۝ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ (الیۃ)

"اور یہ کہ اس کو اس کی کمائی ضرور دکھائی جائے گی۔ پھر اس کو بدلہ ملنا ہے پورا بدلہ"۔

جب یہ بات لازمی ٹھہری تو پھر ان الٹوں تلٹوں کا کیا فائدہ جو آپ کرتے رہتے ہیں۔ ہاں قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ: مرنے والے کو ان امور سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے:

سب سے پہلے مرتے وقت اُن کے خاتمہ کی فکر کی جائے کہ ان کا خاتمہ بالخیر ہو، کیونکہ اگر خاتمہ ایمان پر نہ ہو تو پھر اُن کے خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے، خاص کر ان لوگوں کا جن کی زندگی عموماً نفس و طاغوت کے تابع رہتی ہے۔ اس لیے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ عالم نزع میں ان کے سامنے کلمہ شریف کا ورد سورۃ یٰسین کی تلاوت اور:

"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الحليم الكريم سبحان الله رب العرش العظيم۔ الحمد لله رب العلمين"

کا ورد زیادہ کیا جائے تا کہ اُن کو اپنے ایمان کا ہوش رہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے۔

لقنوا موتاکم لا اله الا الله (مسلم) اقرءوا سورة يٰس على موتاکم (ابوداؤد، ابن ماجہ) لقنوا موتاکم لا اله الا الله الحليم الكريم (ابن ماجہ)

دُعا

دعائیں کی جائیں اور اُن کی متعدد شکلیں ہیں؛

۱۔ وقت اور تعداد کی قید کے بغیر وقتاً فوقتاً اُن کے لیے دُعائیں کی جائیں جیسا کہ قرآن حکیم نے اس کو بیان کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (پ ۲۸ - الحشر ع ۱)

"اور ان کا بھی حق ہے، جو مہاجرین اولین کے بعد آئے، دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے اور ان بھائیوں کے گناہ معاف کر دے جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایسا کر کہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں کہ ان کی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے اے ہمارے رب تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔"

ب۔ دوسرا یہ کہ جنازہ میں ان کے لیے بڑے الحاح و زاری سے دعائیں کی جائیں۔

اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ (ابوداؤد وابن ماجہ)

ج۔ متبع سنت لوگ کم از کم چالیس یا سو حضرات ان کی نماز جنازہ میں اس کے لیے دعا اور سفارش کریں:

مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ (رواہ مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ (مسلم)

یہ چالیس یا سو تعداد ان بزرگوں کی جو شرک و بدعت سے محفوظ ہوں اس لیے بیان کی گئی ہے کہ ایسے لوگ بہر حال ایسے ویسے آدمی کے لیے آگے نہیں بڑھیں گے۔ اس لیے جب یہ حضرات کسی آدمی کی سفارش کریں گے تو یقیناً ان کی وہ کمزوریاں ضرور معاف کر دی جائیں گی جو بشری کمزوریوں کا نتیجہ ہو سکتی ہیں بہر حال ایسے صلحا کا کسی میت پر جمع ہو جانا اس کی بڑی خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔

دوم جب اس کو دفن کر لیا جائے تو اس کے لیے استغفار اور قبر میں ثابت قدم رہنے کی دعا کی جائے۔

فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ وَسَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْاَلُ۔

(رواہ ابوداؤد والحاکم والبیہقی)

اس کی متعدد شکلیں ہیں:

جب قبر میں اتارنے لگیں تو:

بِسْمِ اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

پڑھے۔

قال ابن المسیب حضرت ابن عمر فی جنازۃ فلما وضعها فی اللحد قال بسم اللہ و فی سبیل اللہ۔

جب قبر میں رکھ کر اُسے درست کرنے لگے تو:

اللّٰھم اجرھا من الشیطان ومن عذاب القبر پڑھے۔ جب اس پر مٹی ڈال کر فارغ ہو جائے تو قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ پڑھے۔

اللّٰھم جاف الارض عن جنبیھا وصعد روحھا ولقھا منك رضوانا۔ پڑھے

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے اسے حضور سے سُنا ہے (ابن ماجہ، بیہقی)

دفن کر کے قبر پر کھڑے ہو کر یہ تلقین کرے۔

یا فلان بن فلان اذکر ما خرجت علیہ من الدنیا شھادۃ أن لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وانك رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا وبالقرآن اماما (اخرجہ الطبرانی فی الکبیر وابن مندہ)

دفن کر کے قبر پر کھڑے ہو کر یہ کہے:

اللّٰھم نزل بك صاحبنا وخلف الدنیا خلف ظھرہ اللّٰھم ثبت عند المسئلۃ منطقہ ولا تبتلہ فی قبرہ بما لا طاقۃ لہ بہ

(سعید بن منصور)

حضرت علی یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔

بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللّٰھم عبدك نزل بك وانت خیر منزول بہ خلف الدنیا خلف ظھرہ فاجعل ما قدم خیرا مما خلف فانك قلت: وما عند اللہ خیر للابرار

(اخرجہ البزار)

حضرت انس سے یہ مروی ہے،

اللّٰھم جاف الارض عن جنبیہ وافتح ابواب السماء لروحہ وابدلہ دارا خیرا من دارہ (ابن ابی شیبہ)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

اللّٰھم عبدك رد الیك فارأف بہ وارحمہ اللّٰھم جاف الارض

عن جنبيها وافتح ابواب السماء لروحه وتقبله منك بقبول حسن
اللهم ان كان محسناً فضاعف له فى احسانه .... وان كان مسيئاً فتجاوز عنه
(ابن ابی شیبہ)

تسبیح اور تکبیر کثرت سے کہے۔

لما دفن سعد بن معاذ سبح النبى صلى الله عليه وسلم وسبح الناس معه ثم كبر وكبر الناس (الطبرانى والبيهقى)

قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کا ابتدائی حصہ (مفلحون تک) اور پاؤں کی جانب سورۂ بقرہ کا آخری حصہ (امن الرسول سے آخیر تک) پڑھی جائے۔ (طبرانی عن العلاء بن اللجلاج ماخوذ از شرح الصدور)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ منقول ہے:

اللهم اسلمه اليك الاهل والمال والعشيرة وذنبه عظيم فاغفر له،

عن ابى مدرك الاشجعى ان عمر اذا استوى على الميت قبره قال
(مصنف عبد الرزاق)

ابن ابی شیبہ میں ہے

اللهم اسلمه اليك المال والاهل والعشيرة والذنب العظيم فاغفر له

(۳۳۸/۳)

حضرت علی رضؓ سے یہ بھی مروی ہے۔

اللهم عبدك وولد عبدك نزل بك اليوم وانت خير منزول به اللهم وسع له فى مدخله واغفر له ذنبه فانا لا نعلم منه الا خيرا وانت اعلم به (عبد الرزاق وابن ابى شيبه)

حضرت علاء بن المسیب اپنے والد سے یہ نقل فرماتے ہیں،

فى سبيل الله وعلى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى ملة ابراهيم حنيفا مسلما وما كان من المشركين - اللهم ثبته بالقول الثابت فى الاخرة اللهم اجعله فى خير ما كان فيه اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده (مصنف ابن ابى شيبة)

بسم الله وفى سبيل الله وعلى ملة رسول الله اللهم اجره من عذاب

القبر ومن عذاب النار، ومن شر الشیطٰن۔

حضرت مجاہد اس کے لیے اس دعا کی سفارش کرتے تھے۔

بسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللّٰھم افسح له فی قبرہ ونور له قبرہ والحقه بنبیه وانت عنه راض غیر غضبان (عبد الرزاق)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مروی ہے۔

بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ وبالیقین بالبعث بعد الموت (الخ)

نیک اولاد اپنے والدین کے لیے استغفار اور دعائیں کریں۔

او ولد صالح یدعوله (مسلم عن ابی ھریرۃ) ان اللہ یرفع الدرجۃ للعبد الصالح فی الجنۃ فیقول یا رب انّٰی لی ھذا؟ فیقول باستغفار ولدك لك (بیہقی) بدعاء ولدك لك الادب المفرد)

ماں باپ دوست احباب کی نیک دعاؤں سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔

ما المیت فی قبرہ الا شبه الغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقه من اب او ام او ولد او صدیق ثقۃ فاذا الحقته کانت احب الیه من الدنیا وما فیھا (اخرجه البیہقی فی شعب الایمان وفی سندہ ابو عیاش المعیصو محمد بن جابر قال الذھبی لا اعرفه وقال ھذا الخبر منکر)

اگر آپ کے اہل قبور کو کسی اچھے کام کی عادت تھی، اسے جاری رکھیے۔

والسنۃ والحسنه یسنھا الرجل فیعمل بھا بعد موته (دارمی)

اگر کوئی فریضہ اُن کے ذمے رہ گیا ہے مثلاً روزہ یا حج وغیرہ تو اُن کی طرف سے وہ ادا کیا جائے

قال من مات وعلیه صوم صام عنه ولیه (صحیحین)

جاء رجل الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال ان امی ماتت وعلیھا صوم شھر افا صوم عنھا فقال نعم فدین اللہ احق ان یقضی (ایضاً)

من حج عن ابویه ولم یحجا اجزاء عنھما (اخرجه البیہقی فی فوائدہ)

ان امراۃ من جھینۃ جاءت الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتی ماتت افاحج عنھا قال حجی عنھا ارایت لو کان علی

اهل دین کنت قاضیته، اقضوا الله فالله احق بالقضاء (بخاری)

ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ ان امی ماتت نفسها ولم توص واظنها لو تکلمت تصدقت افلها اجر ان تصدقت عنها قال نعم

(بخاری)

ایک میت کے سر پر کسی کے دو دینار قرض تھے، آپ نے ان کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت قتادہؓ نے جب ادا کر دیئے تو آپ نے فرمایا: اب آپ نے اس کو ٹھنڈک پہنچائی۔

الآن بردت علیہ جلدہ (رواہ احمد والبیہقی)

یہ سب صورتیں خدا سے التماس اور درخواست کی ہیں یا میت کی طرف سے نیابت کی — ایصال ثواب نیابت سے مختلف صورت ہے، جس کا اوپر کی احادیث میں کوئی نشان نہیں ملتا۔

یہ وہ مسنون حقائق ہیں، اگر کوئی شخص ان کے ذریعے اہل قبور کو کچھ فائدہ پہنچانا چاہتا ہے تو ایک بات ہوئی، لیکن افسوس! دنیا اب خانہ ساز رسومات کے ذریعے اپنے مردوں کی خدمت کرنا چاہتی ہے، جو ہو سکتا ہے، وہی امور اس کے لیے بازپرسی اور جواب دہی کا سبب بن جائے۔

«ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ» (مائدہ ع)

(اے عیسیٰ!) کیا تم نے لوگوں سے یہ بات کہی تھی کہ خدا کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو (بھی) دو خدا مانو!—؟

یہاں صرف بات یہ نہیں کہ: انہوں نے ان کے ارواح کے لیے مٹھائیاں تقسیم کیں، یہ بھی ہے کہ: قبرستان میں جا کر یہ سب کچھ کیا — رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و ائمہ تابعین کے مبارک دور میں اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حضور کا ارشاد ہے کہ جو بات ہمارے تعامل کے خلاف ہو وہ مردود ہے کیونکہ بدعت ہے۔

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد (بخاری ومسلم)

فقہائے کرام نے بھی اس امر کی مذمت کی ہے اور اسے بدعت کہا ہے کہ قبروں میں میٹھی چیزیں لے جا کر تقسیم کی جائیں۔ یا وہاں جا کر قرآن خوانی کی جائے۔

شیخ علی متقی، حنفی لکھتے ہیں۔

الاول للقراءۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ (رسالہ رد بدعات التعزیہ)

شیخ علی متقی کے شاگرد رشید حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

"عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور و نہ غیر آں، و ایں مجموع بدعت است (مدارج النبوت)

"یعنی زمانہ سلف میں یہ دستور نہ تھا کہ میت کے لیے لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی کریں یا ختم پڑھیں، نہ قبر پر نہ دوسری جگہ، یہ سب بدعت ہیں"

آگے چل کر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

عادت نبود کہ اہل میت برائے کساں کہ بہ تعزیت بیایند طعام کنند (مدارج النبوت)

کہ وہاں یہ بھی دستور نہ تھا کہ جو لوگ افسوس کرنے کے لیے آئیں ان کے لیے کھانا تیار کریں۔

حضرت امام ابن قیم ( ) فرماتے ہیں:۔

لم یکن من ھدیہ ان یجتمع للعزاء ولقرأۃ القرآن لاعند القبر ولا عند غیرہ وکل ھذا بدعۃ حادثۃ بعدہ مکروھۃ (زاد المعاد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور نہیں تھا کہ تعزیت اور قرآن خوانی کے لیے اکٹھے کیا جائے، قبر پہ ہو یا کسی اور جگہ، یہ سب ناپسندیدہ بدعتیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوئی ہیں"

فتاوی سمرقندیہ میں ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنا بدعت ہے۔

قرأۃ الفاتحۃ والاخلاص والکافرون علی الطعام بدعۃ

(فتاوی سمرقندیہ)

ایک اور امام لکھتے ہیں:

والاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والطیب واشمار وغیرھا تمر وکذلک تجمیر الحور والبیان والاطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشہر السادس والسنۃ (رسالہ رد بدعات ملا خندی)

حنفیوں کے فتاوے بزازیہ میں ہے۔

یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی قبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقرأۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء

للختم القرآن سورة الانعام والاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاكل یکره (فتاوی بزازیه)

"یعنی مکروہ ہے کھانا تیار کرنا پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد اور کھانا لے جانا قبر پر کسی موسم میں اور تیار کرنا دعوت کا، قرآن پڑھنے والوں کے لیے اور صلحا اور قاریوں کا ختم کے لیے یا سورۂ انعام اور اخلاص کے پڑھنے کے لیے جمع ہونا (سب مکروہ ہے) الحاصل قرآن پڑھنے والوں کے سلسلے کھانے کے لیے کھانا رکھنا مکروہ ہے"۔

یہ حنفی امامانِ دین کی تصریحات ہیں۔ کم از کم حنفی بزرگوں کو تو اُن کے سامنے دم نہیں مارنا چاہیئے، باقی رہے اہل حدیث؟ سو اُن کا تو مسلک ہی یہ ہے:

فاتوا برهانكم ان كنتم صادقين

بات یہ ہے کہ: مسنون طریقے سے جو مفید امور انجام دیئے جاتے ہیں، ان کی وجہ سے کسی انسان کے لیے یہ سوچنا مشکل ہوتا ہے کہ اگر ہم عمل نہ کر سکے تو پیچھے سے ہمیں "ثواب" کی بلٹیاں پہنچتی رہیں گی، لیکن ایصال ثواب کے جو طریقے ہمارے دوستوں نے ایجاد کر رکھے ہیں وہ ایسے ہیں کہ اُن کے بعد ایک بے عمل شخص ان پر تکیہ کر سکتا ہے جس کا نتیجہ طویل غفلت اور غفلت کی وجہ سے "مستقبل کے تاریک اور اتھاہ اندھیروں" میں گھر کر اس کی عاقبت ضائع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

ویسے بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں جس طرح مفت خوروں کی کوئی عزت نہیں ہوتی، بعینہٖ آخرت میں بھی "مفت خوروں" کے لیے کوئی جگہ اور عزت نہیں ہے۔ لیکن آنکھیں بند ہونے سے پہلے اس کا اندازہ نہیں ہو گا۔ مگر جب اس کا اندازہ ہو گیا اس وقت تیر ہاتھ سے نکل چکا ہو گا۔ ان حلوہ خور ملاؤں سے خدا کے ہاں ضرور باز پرس ہو گی۔ جنہوں نے عوام کالانعام کو ثواب کی ان روحانی بلٹیوں کی راہ پر ڈال کر اُن کی آخرت کو خراب کرنے کے سامان کر رکھے ہیں۔

۲۔ قرآن کی آیات کا جواب

جس مولوی صاحب نے اس کو بدعت کہا ہے، زیادتی کی ہے۔ بلکہ یہ طریقہ مسنون بھی ہے اور معقول بھی۔

یہ ہم سب کا متفقہ مسئلہ ہے کہ جب امام سورۃ فاتحہ کے "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" پر پہنچے تو "آمین" کہی جائے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس کا حکم دیا ہے۔

اذا قال الامام "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" فقولوا "امين"

(بخاری - عن ابی هریرةؓ)

یہ مسئلہ الگ ہے کہ مقتدی کو اس موقع پر آہستہ "آمین" کہنا چاہیے یا اونچی آواز سے۔ لیکن یہ مسئلہ سب کے نزدیک صحیح ہے کہ "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" کے جواب میں "آمین" کہی جائے، گویا کہ یہ مسئلہ محدثین کا بھی ہے اور فقہاء کا بھی۔

جب آپ کہتے ہیں کہ ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا، ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ ان کی جو راہ راست سے بھٹک گئے تو یہ ایک ایسی صدا ہے جس کو سن کر سب کی زبان پر بے ساختہ آجاتا ہے: "آمین" (الٰہی ایسا ہی ہو)۔

یہ ایک باذوق اور فہمیدہ انسان کی فطرت ہے کہ مناسب محل موقع پر نفیاً یا اثباتاً اس کے دل سے ایک "ہوک" ضرور اٹھتی ہے جو زبان پر آہی جاتی ہے۔ بس اسی فطری داعیہ کا یہ ایک اقتضاء بھی ہے اور جواب بھی — اسی کو "جواب آیت" کہتے ہیں کیا یہ برا ہے؟—

ترمذی شریف تفسیر "سورۃ الرحمٰن" میں روایت آتی ہے کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اوّل سے لے کر آخر تک صحابہ کے سامنے "سورۃ الرحمٰن" پڑھی، مگر صحابہ چپ رہے، آپ نے فرمایا تم سے تو جن ہی اچھے رہے کہ لیلۃ الجن جب بھی "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ" پر پہنچا تو وہ جواباً کہتے لا بشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد۔

عن جابر خرج رسول اللہ صلی اللہ وسلم علی اصحابہ فقرا علیہم سورۃ الرحمٰن من اولہا الی اٰخرہا۔ فسکتوا فقال لقد قرأتہا علی الجن لیلۃ الجن فکانوا احسن مردوداً منکم، کنت کلما اتیت علی قولہ، فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ قالوا لا بشیء من نعمک ربنا فلک الحمد

(رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب الخ)

اس کے ایک راوی زہیر کی وجہ سے کمزوری ہے لیکن دوسرے شواہد سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے، حافظ ابو جعفر ابن جریر نے حضرت ابن عمر سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ ترمذی کے شارح لکھتے ہیں کہ یہ روایت ابن منذر، حاکم، بیہقی، بزاز نے بھی اس کی تخریج کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

اخرجہ ابن منذر والحاکم وصححہ والبیہقی والبزار (تحفۃ الاحوذی) یہ لکھتے ہیں کہ اس کا شاہد ہے یعنی ابن عمر کی روایت۔ اور سیوطی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ففی الحدیث ضعف لکن لہ شاھد من حدیث ابن عمر اخرجہ ابن جریر والبزار والدار قطنی فی الافراد وغیرھم وصحح السیوطی اسنادہ کما

فی فتح البیان (تحفۃ الاحوذی تفسیر سورۃ الرحمٰن)

ان روایات سے واضح ہو گیا کہ: اگر دوسرا بھی کوئی پڑھے تو سننے والے کو چاہیے کہ وہ اس کا جواب دے۔ دراصل یہ جواب پڑھنے کی سزا نہیں ہے بلکہ ایک "بات" کے عرفان کا نتیجہ ہے، وہ عرفان جیسے قاری کے لیے ممکن ہے ویسے ایک سامع کے لیے بھی بجا ہے۔

غور فرمائیے! قرآن حکیم کہتا ہے، "قل ھو اللہ احد" مثلاً تو بول! کہ وہ اللہ ایک ہے۔ ایک شخص سنتا ہے مگر چپ ہے، اور جواب میں "ھو اللہ احد" نہیں پڑھتا تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اس نے کوئی دانشمندی کا ثبوت دیا ہے—؟

قرآن مجید، تدبر اور تفکر کی دعوت دیتا ہے، تاکہ امتثال میں کوئی کمی نہ رہے۔ آپ غور کرتے ہیں کہ اللہ میاں فرما رہے ہیں۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ (کیا اللہ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟) اگر سننے والا اس پر یہ کہہ دے کہ: بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (کیوں نہیں! میں اس کی شہادت دیتا ہوں) تو کیا اس نے محل وقوع کا تقاضا پورا کیا یا کوئی جرم؟ یقین کیجیے! یہ جرم نہیں، نکتہ سنجی ہے، چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ حضورؐ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب آیت رحمت آتی تو ٹھہر کر رب سے رحمت مانگتے اگر آیت عذاب ہوتی تو پناہ مانگتے۔

لا یمر بایۃ رحمۃ الاوقف فسأل بآیۃ عذاب الاوقف فتعوذ

(نسائی باب الدعاء فی السجود)

یہ نبوی فراست، محمدی اسوہ اور کمال عبدیت کا نشان اور علامت ہے کہ رب کے خطاب کی نزاکت اور تقاضوں کو سمجھتے اور محل موقع سے فائدہ اٹھاتے۔ قرآن حمید کے مشہور مفسر، محشی اور علمائے احناف کے قابل ذکر عالم دین مولانا شبیر احمد عثمانی سورۂ رحمٰن کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

علماء نے ایک حدیث صحیح کی بنا پر لکھا ہے کہ جب کوئی شخص یہ آیت "فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" سنے تو جواب دے "لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ" (اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے، سب حمد و ثنا تیرے ہی لیے ہے۔" حاشیہ سورہ رحمٰن)

نوٹ:۔ استفتا کثرت سے آتے ہیں، جن کا جواب بہر حال دیا جاتا ہے لیکن باری کے حساب سے، اس لیے جتنی تاخیر ہو جاتی ہے وہ بالکل قدرتی بات ہے۔ ہم مستفتی حضرات سے اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

مولانا سیف الرحمٰن

ایک جھوٹا وصیّت نامہ

اور اس کی تردید

(بہ ہدایت سماحۃ الشیخ) عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز۔ حفظہ اللہ کی طرف سے اُن تمام مسلمانوں کے نام ہے جو اس پر مطلع ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسلام کے ساتھ ان کی حفاظت کرے اور ہمیں اور تمام مسلمانوں کو جاہل سرکش لوگوں کی باتوں سے بچائے۔ آمین۔

وصیت نامہ کا واقعہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! .... امابعد۔ مجھے اس بات کی خبر ہوئی کہ حرم نبوی کے خادم شیخ احمد کی طرف کچھ باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ اُن کا عنوان یہ ہے۔ "یہ وصیت نامہ مدینہ منورہ سے شیخ احمد خادم حرم نبوی کی طرف سے ہے"۔ اس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں جمعہ کی رات کو کافی دیر تک قرآن پاک کی تلاوت اور اسمائے الٰہی کے وظیفہ میں مصروف رہا اور جاگتا رہا جب تلاوتِ قرآن پاک اور وظائف کے ورد سے فارغ ہوا۔ اور سونے کے لیے بستر خواب پر آیا تو ایک روشن چہرے والے مقدس انسان کی زیارت سے مشرف ہوا۔ وہ مقدس ہستی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جو قرآن پاک لے کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ جنہوں نے احکامِ شریعت کی وضاحت فرمائی اور جو تمام جہانوں کے لیے باعث رحمت بن کر تشریف لائے۔

آپ نے فرمایا "اے شیخ احمد!"

میں نے عرض کیا "اے تمام مخلوقات سے زیادہ مکرم ہستی! بندہ حاضر ہے۔ فرمایئے کیا ارشاد گرامی ہے؟"

آپ نے فرمایا "میں لوگوں کے بُرے اعمال کی وجہ سے شرمسار ہوں۔ مجھے اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونے کی ہمت نہیں بلکہ اس کے فرشتوں کے سامنے حاضر ہونے کی ہمت نہیں پاتا۔ کیونکہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشخاص مرتد ہو کر مرتے ہیں"۔

پھر ذکر کیا کہ لوگ گناہوں کا بہت ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ یہ وصیت نامہ اللہ کی طرف سے باعث رحمت ہے۔ پھر کچھ قیامت کی علامات کا ذکر کیا۔ آخر میں لکھا ہے کہ "اے شیخ احمد! لوگوں کو اس

وصیت نامہ سے آگاہ کر دو۔ یہ تقدیر کی قلم سے لوحِ محفوظ سے منقول ہے، جو اسے لکھے گا اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں، اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر بھیجے گا تو جنت میں اس کے لیے ایک محل تیار ہو گا۔ جو شخص اسے نہیں لکھے گا اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر نہیں بھیجے گا تو قیامت کے روز میری شفاعت سے محروم ہو گا۔ جو اسے لکھے گا اگر وہ فقیر ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے غنی کر دے گا۔ اگر مقروض ہے تو اُس کا قرض ادا ہو جائے گا۔ اگر اس پر کوئی گناہ ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمائے گا۔ اور اُس کے والدین کے گناہوں کا دفتر بھی دھو ڈالے گا، جو شخص اسے لکھنے میں پس و پیش کرے گا تو دنیا و آخرت میں رُو سیاہ ہو گا۔

پھر تین مرتبہ قسم اُٹھا کر کہا: "یہ حقیقت ہے۔ اگر میں نے جھوٹ بیان کیا ہو تو کافر ہو کر مروں۔ جو اس کی تصدیق کرے گا آگ کے عذاب سے نجات پائے گا۔ اور جو اسے جھٹلائے گا وہ کافر ہو کر مرے گا۔"

وصیت نامہ کی تردید

یہ اس جھوٹے وصیت نامے کا خلاصہ ہے جو اُس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جھوٹ باندھا ہے۔ میں اس جھوٹے وصیت نامے کو کئی سال سے متعدد مرتبہ سن چکا ہوں۔ اسے لوگوں میں کثرت سے پھیلایا جا رہا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کی نشر و اشاعت کی جا رہی ہے اور دن بدن لوگوں میں کثرت سے رواج پا رہا ہے۔ اس کے الفاظ مختلف اوقات میں مختلف ہوتے ہیں۔ اس کا کاتب کہتا ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے یہ وصیت نامہ عطا کیا۔ اے قاری! آخری اشتہار میں کا ہم نے تمہارے سامنے ذکر کیا ہے! جھوٹ باندھنے والے نے کہا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی زیارت سے اس وقت مشرف ہوا جب کہ وہ سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ ابھی تک بستر خواب پر لیٹا نہیں تھا تو اس کا صاف واضح مطلب یہ ہے کہ اس نے بیداری کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس وصیت نامہ میں مفتری نے چند ایسی باتیں ذکر کی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے اور مکر و فریب کا پلندا ہے۔ اس مضمون میں میں ابھی آپ کو اس حقیقت سے آگاہ کروں گا۔ میں نے گذشتہ سالوں میں لوگوں کو اس کی حقیقت سے آگاہ کیا تھا اور بتایا تھا کہ یہ سفید جھوٹ ہے بلکہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس کی کچھ حقیقت اور اصلیت نہیں۔ یہ بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔

جب میں نے آخری اشتہار پڑھا تو اس کی تردید میں کچھ لکھنا بے سود تصور کیا کیونکہ اس کے جھوٹ ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ اور اس کے لکھنے والے کے متعلق مفتری ہونے میں کوئی شک نہیں رہا۔ میرا خیال تھا کہ جو شخص معمولی سوجھ بوجھ کا مالک ہو گا یا فطرت سلیم اسے ودیعت کی گئی ہو گی اس پر اس وصیت نامے کا قطعاً

کچھ اثر نہ ہوگا۔ مگر بعض احباب نے مجھے بتایا کہ یہ لوگوں میں کثرت سے رواج پا چکا ہے۔ اس کی لوگوں میں بہت شہرت اور چرچا ہو چکا ہے اور وہ اسے درست اور سچ تصور کرتے ہیں۔

وصیت نامہ کے تردیدی دلائل

بدیں وجہ مجھ پر اور میرے جیسے دیگر اہل علم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس کی تردید میں مضامین لکھیں اور لوگوں کو حقیقتِ حال سے آگاہ کریں۔ انہیں بتائیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر جھوٹ باندھا گیا ہے تاکہ عوام الناس میں کسی کو دھوکا نہ ہو۔ جو شخص صاحب علم اور صاحب ایمان ہے یا فطرت سلیمہ اور عقل صحیح کا مالک ہے جب اس پر غور کرے گا تو اسے واضح ہو جائے گا کہ یہ سراسر جھوٹ ہے اور افتراء ہے، اس کے جھوٹ ہونے پر کئی دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

دلیل نمبر ۱

میں نے شیخ احمد کے بعض اقرباء اور رشتہ داروں سے، اس جھوٹ کے متعلق جس کا نام وصیت نامہ ہے، دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ شیخ احمد پر سراسر جھوٹ اور افتراء ہے۔ انہوں نے ایسی کوئی بات ہرگز نہیں کی۔ اگر بالفرض ہم یہ تسلیم کر لیں کہ شیخ احمد یا ان کے کسی اور بڑے بزرگ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی یا بیداری کی حالت میں آنحضرت کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور آپ نے ان کو وصیت فرمائی کہ ہم بلا تردد اور بغیر کسی شک و شبہ کے کہیں گے کہ وہ جھوٹا ہے یا جس نے اسے یہ وصیت کی ہے وہ شیطان ہے۔ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:۔

بیداری میں رسولِ کریمؐ کی زیارت

۱۔ اس عالم آب و گِل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد کسی شخص نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری کی حالت میں زیارت نہیں کی اور نہ کوئی کر سکتا ہے، جو جاہل صوفی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے بیداری کی حالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی یا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں یا اس جیسا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ غلط ہے بلکہ نہایت غلط ہے اور یہ انتہائی تلبیس اور دین میں کئی نئے امور کا خلط ملط کرنا ہے۔ ایسے شخص نے بہت بڑی غلطی کی۔ اس نے کتاب و سنت اور اہلِ علم کے اجماع کی مخالفت کی۔ کیونکہ مُردے قیامت کے روز اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ اس کے برعکس دنیا میں مُردے ہرگز نہیں اٹھیں گے جیسے اللہ وجل فرماتا ہے۔

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ۔ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ۔

(المومنون)

پھر (اس دنیاوی زندگی کے بعد) تم فوت ہو جاؤ گے۔ بعد ازاں قیامت کے روز تم کو اُٹھایا جائے گا۔

ان آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ مردے قیامت کے روز قبروں سے اٹھیں گے اس سے پیشتر دنیا میں اُن کو نہیں اُٹھایا جائے گا۔ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ صریحاً جھوٹا ہے۔ اس کا جھوٹ بالکل عیاں ہے۔ یا یوں کہیے کہ اس نے یہ بات بالکل غلط کہی ہے۔ کیونکہ وہ حق کی پہچان نہیں کر سکا۔ بلکہ اُسے دھوکا ہو گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تابعین اور آپ صالحین نے حق کو پہنچانا تھا۔ اس لیے ان کی اقتداء اور پیروی ہی جادۂ حق دکھلائی دیتا ہے۔

وصیت نامہ خلاف شریعت ہے

۲۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواہ بقید حیات ہوں یا رُوح جسد عنصری سے پرواز کر چکا ہو۔ کسی صورت میں خلافِ حق بات نہیں کہہ سکتے۔ یہ وصیت نامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے سراسر خلاف ہے۔ یہ ظاہر طور پر شریعت کے خلاف نظر آ رہا ہے۔ اس کی چند ایک وجوہات ہیں:

اس کا راوی مجہول الحال ہے

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ممکن ہے اور یہ ماننے میں بھی ہم کو دریغ نہیں کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کی اصلی شکل و شباہت ہی زیارت کی تو وہ آپ کی زیارت سے مشرف ہوا لیکن یہ سب کچھ ایمان کی پختگی اور تصدیق پر منحصر ہے اور اس کی عدالت، ضبط اور دیانت و امانت پر منحصر ہے۔ پھر کیا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی اصلی شکل و شباہت میں دیکھا یا کسی اور شکل میں دیکھا۔ اگر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث مذکور ہو اور اس کے بیان کرنے والا ثقہ نہ ہو، غیر عادل ہو۔ اس کا حافظہ خراب ہو اور قابل اعتماد نہ ہو اور قابل حجت نہ ہو۔ یا ثقہ راویوں سے مروی ہو لیکن اس شخص کی روایت کے خلاف ہو جس کا حافظہ اس سے قوی ہو اور زیادہ ثقہ ہو اور دونوں روایات میں موافقت کی کوئی صورت نظر آئے تو دونوں میں سے ایک کو منسوخ قرار دیا جائے گا اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا اور دوسری روایت کو ناسخ قرار دیں گے اور وہ قابل عمل ہو گی۔ بشرطیکہ اس میں ناسخ کی تمام شرائط موجود ہوں۔ جب یہ طریقہ کارگر نہ ہو اور اس کا امکان نہ ہو اور نہ ہی دونوں روایات کو جمع کرنے کی کوئی صورت نظر آئے تو ایسی صورت میں اس شخص کی روایت جس کا حافظہ کمزور ہو یا اس کی عدالت مشکوک ہو، کو ترک کیا جائے گا۔ اس پر شاذ کا حکم ہو گا اور اس پر عمل نہیں ہو گا۔

جب ایک روایت پر عمل کرنے کے معاملہ میں یہ حال ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

کے متعلق کیا حکم ہوگا، جس کے بیان کرنے والے کا کوئی علم نہیں کہ اس نے یہ کس سے نقل کیا اور جس کی عدالت وامانت سے ہم واقف نہیں تو یہ وصیت نامہ اور اس جیسی دیگر تحریرات کے متعلق یہی حکم ہے کہ اسے پس پشت ڈال دیا جائے اور اس کی طرف مطلقاً توجہ نہ کی جائے خواہ اس میں شریعت کے خلاف کوئی شے نہ ہو۔ اب اس وصیت نامے کا کیا حال ہوگا جس میں کئی ایسی باتیں مذکور ہوں جو باطل اور خلاف شریعت ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر جھوٹ ہوں اور ایسی باتوں پر متضمن ہو جو دین کے لئے شریعت کا حکم رکھتی ہوں، حالانکہ ایسے امور کا اللہ نے حکم نہیں فرمایا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

من كذب علي ما لم اقل فليتبوء مقعده من النار۔

جس شخص نے میری طرف ایسی باتیں منسوب کیں جو میں نے نہیں کہیں۔ تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

وصیت نامہ کے راوی کو توبہ کرنی چاہیے

اس وصیت نامہ کے مفتری نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ ایسی باتیں کہی ہیں جن کا آپ نے قطعاً ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اس نے آپ پر سراسر جھوٹ باندھا ہے۔ اگر ایسا شخص توبہ نہ کرے اور لوگوں میں یہ اعلان نہ کرے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا ہے تو اس وعید کا مستحق ہے کیونکہ جو شخص لوگوں میں جھوٹ اور غلط باتوں کا پروپیگنڈہ کرتا ہے اور ان باتوں کو دین کا جزو تصور کرتا ہے تو ایسے شخص کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی حتیٰ کہ وہ توبہ کرے اور لوگوں کے سامنے اعلان کرے تاکہ ان کو علم ہو جائے کہ اس نے اس جھوٹ سے رجوع کر لیا ہے اور اس کے وجود نے اس کی تکذیب کی ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۔ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ۔ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۔

(البقرہ)

جو لوگ ہماری واضح نشانیاں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں (اور لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں) حالانکہ ہم نے کتاب (قرآن مجید) میں واضح بیان کیا ہے۔ ایسے

لوگوں پر اللہ کی اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ ہاں البتہ (اس لعنت کے مصداق وہ لوگ نہیں ہوں گے) جنھوں نے توبہ کر لی اور اپنے اعمال کی درستی کر لی۔ پھر (لوگوں کے سامنے) اپنے عقیدہ اور اعمال کی وضاحت کی۔ ایسے لوگوں کی میں توبہ قبول کرتا ہوں میں تو بہت ہی توبہ قبول کرنے والا ہوں اور بہت مہربان ہوں۔

ان آیات کریمہ میں اللہ عزوجل نے اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ جو شخص (اپنے کسی ذاتی مفادِ عاجلہ کی خاطر) حق کو چھپاتا ہے اور لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے گریز کرتا ہے اور مصلحتِ وقت کی آڑ لیتا ہے تو ایسے شخص کی توبہ قبول نہ ہو گی تاوقتیکہ اپنے عقیدہ اور عمل کی اصلاح نہ کرے یعنی لوگوں کے سامنے حق بیان کرے تو اس کی توبہ کو اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت بخشے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت کی تکمیل کر دی۔ یعنی ان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ پر شریعت کاملہ کے احکام نازل فرمائے۔ جب تک شریعت کی تکمیل نہ ہوئی اور شریعت کے احکام کی پوری پوری وضاحت نہیں ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روح مبارک جسد عنصری سے جدا نہیں ہوا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت (قرآن کریم) کو پورا کر دیا ہے۔

وصیت نامہ کا مقصد دین میں من گھڑت باتیں شامل کرنا ہے

اس وصیت نامے کا مفتری چودھویں صدی ہجری میں ہوا ہے اس نے چاہا کہ دین اسلام میں کچھ نئی باتیں ملا کر دین کو خلط ملط کر دے اور ان کے لئے ایک نیا دین مشروع قرار دے جس جنت کا انحصار ہو جو اس کی پابندی کرے وہ جنت کا مستحق ہو اور جو اس کی پابندیوں روگردانی کرے اس کا جنت میں داخلہ بند ہو اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو۔ نیز اس کی یہ خواہش ہے کہ اس وصیت نامہ کو جو اس نے خود جھوٹا اختراع کیا ہے قرآن پاک سے افضل تصور کرے (نعوذ باللہ من ذالک) کیونکہ اس نے اس میں جھوٹ باندھا ہے کہ جو اسے لکھ کر ایک شہر سے دوسرے شہر میں یا ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچائے گا۔ اس کے لئے جنت میں اعلیٰ قسم کا محل تیار ہو گا۔ اور جو اسے نہیں لکھے گا اور دوسرے شہروں میں بھیجنے سے گریز کرے

گا۔ تو قیامت کے روز اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حرام ہو گی۔ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔ اس وصیت نامہ کے جھوٹے ہونے پر کافی دلائل موجود ہیں۔ اس وصیت نامہ کو بنانے والا بڑا بے شرم اور بے حیا ہے اور جھوٹ بنانے پر بڑا دلیر ہے۔

یہ فضیلت قرآن پاک لکھنے سے بھی حاصل نہیں ہوتی

اس لئے کہ جو شخص تمام قرآن کریم لکھ کر ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیجتا ہے یا ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچاتا ہے تو اس کے لئے یہ فضیلت حاصل نہیں جبکہ وہ قرآن پاک پر عمل نہ کرے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس جھوٹ کو لکھنے والا اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف بھیجنے والا ثواب حاصل کرے اور جو شخص قرآن پاک نہیں لکھتا اور اسے ایک شہر سے دوسرے شہر میں نہیں بھیجتا۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم نہیں ہو گا۔ بشرطیکہ وہ مومن ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ہو۔ یہ ایک ہی جھوٹ جو اس وصیت نامے میں مذکور ہے اس کے باطل اور غلط ہونے کے لئے کافی دلیل ہے اور اس کے ناشر کے جھوٹا ہونے کا واضح ثبوت ہے اور اس کی بے شرمی اور بے حیائی اور کور چشمی کی کافی دلیل ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت سے عدم واقفیت کا بین ثبوت ہے۔ اس وصیت نامہ میں چند امور کے ماسوا سبھی اس کے باطل اور غلط ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ خواہ اس وصیت نامہ کو بنانے والے ہزار قسمیں کھائے یا اس سے بھی زیادہ قسمیں کھائے اور کہے یہ وصیت نامہ درست ہے اور حقیقت ہے۔ خواہ وہ دعویٰ کرے کہ اگر میں اس وصیت نامہ کے معاملہ میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر قہر الٰہی نازل ہو یا میں کسی عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جاؤں۔ پھر بھی ہم (اس کی بات کا اعتبار نہیں کریں گے اور) اس کو جھوٹا کہیں گے اور اس وصیت نامہ پر مہر صداقت ثبت نہیں کریں گے۔ بلکہ ہم خداوند قدوس کی بار بار قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے اور غلط بات ہے۔ ہم اس بات پر اللہ کو گواہ کرتے ہیں اور جو فرشتے ہمارے پاس موجود ہیں اور جو مسلمان اس پر اطلاع پائیں سب کو گواہ کرتے ہیں کہ ہم حبیب اللہ پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو یہ گواہی دیں گے۔ الٰہی! یہ وصیت نامہ سراسر جھوٹ اور باطل ہے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بہتان تراشی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و خوار کرے جس نے یہ جھوٹ باندھا اور جس سزا کا وہ مستحق ہے وہ اسے دے۔

اللہ کے سوا کوئی غیب دان نہیں

دلیل نمبر ۲ جو کچھ اوپر ذکر ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے باطل ہونے اور جھوٹ ہونے کے کئی دلائل مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشخاص کافر ہو کر مرتے ہیں۔ یہ علم غیب کی بات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روحِ مبارک آپ کے جسدِ اطہر میں مقید تھا اس وقت آپ غیب کی صفت سے متصف نہیں تھے تو جسدِ اطہر سے روحِ پاک کے پرواز کر جانے کے بعد آپ عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں اور اپنی امت کے حالات سے کیسے باخبر ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ( )

اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بتا دو کہ میرا یہ دعویٰ نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی غیب دانی کا دعویٰ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (الفرقان)

(لوگوں کو) بتا دو کہ اس کائناتِ ارضی وسماوی میں اللہ عزوجل کے ماسوا کوئی غیب دان نہیں

ایک حدیث شریف میں مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا روز ہو گا تو کچھ لوگوں کو میرے حوضِ کوثر سے دور ہٹا دیا جائے گا۔ میں جب ان کی یہ حالت دیکھوں گا تو (فرشتوں سے) کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابی ہیں۔ (فرشتے) مجھے جواب دیں گے کہ آپ کو علم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے رحلت فرمانے کے بعد کیا کیا بدعتیں ایجاد کیں۔ تب میں نیک بندے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح کہوں گا کہ جب تک میں ان میں رہا ہوں تو میں گواہ تھا جب تیرا پیغام اجل پہنچ گیا، تو پھر تیری ہی نگہبانی تھی۔ اور تو ہر شے پر قادر ہے۔

کشائشِ رزق قرض کی ادائیگی، گناہوں کی معافی، اس پر مشروط نہیں

دلیل نمبر ۳ اس وصیت نامہ میں مذکور ہے کہ جو اسے لکھے گا اگر وہ فقیر ہے تو اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے گا۔ اگر وہ گنہگار ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا اور اس وصیت نامہ

کے بدلے اس کے والدین کو بخش دے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الی اخرہ ۔

یہ بہت بڑا جھوٹ ہے اور مفتری کے جھوٹ کا پول کھولنے کی واضح دلیل ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے شرم و حیا کا دیوالیہ نکل چکا ہے ۔ اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں سے ہرگز شرم نہیں آتی ۔ کیونکہ یہ تینوں امور جن کا اوپر ذکر ہوا ہے قرآن پاک کی کتابت سے بھی حاصل نہیں ہوتے پھر اس وصیت نامہ کے لکھنے سے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں؟ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ خبیث دین میں گڑبڑ پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس کی یہ خواہش ہے کہ لوگوں کی توجہ اس طرف ہو اور اس کی فضیلت پر انحصار کریں اور ان اسباب کو ترک کر دیں جو اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کے لیے مشروع قرار دیے ہیں اور جن اسباب کو غنا ، قرض کی ادائیگی اور گناہوں کی معافی کا سبب بتایا ہے ان سے روگردانی کریں ۔ ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں کہ ہم ذلت و رسوائی کے اسباب اختیار کریں ، اور خواہشاتِ نفسانی اور شیطان کی پیروی کریں ۔

اس کا نہ لکھنا ذلّت کا باعث کیسے ہو سکتا ہے

دلیل نمبر ۴ جو شخص اسے نہیں لکھے گا وہ دنیا اور آخرت میں روسیاہ ہوگا ۔ اور ذلیل و خوار ہوگا ۔ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے اور اس وصیت نامہ کے باطل ہونے اور جھوٹ بتلانے والے کے کذب پر بہت بڑی دلیل ہے ۔ ایک خردمند اسے کیسے تسلیم کر سکتا ہے جسے چودھویں صدی میں ایک شخص نے ایجاد کیا ہو ۔ جو مجہول الحال ہو ۔ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جھوٹ باندھتا اور کہتا ہے کہ جو شخص اسے نہیں لکھے گا وہ دنیا اور آخرت میں روسیاہ ہوگا ۔ جو اسے لکھے گا اگر وہ فقیر ہے تو وہ غنی ہو جائے گا اور اس کا دین سلامت رہے گا اور اس نے جو گناہ کئے ہیں سب معاف کر دیئے جائیں گے سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۔

دلائل اور واقعہ دونوں اس امر کی شہادت دیتے ہیں ۔ کہ کسی مفتری نے جھوٹ باندھا ہے اور ایسا کرنے پر بڑی جرأت ہوئی ہے ۔ اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں سے ذرہ بھر شرم نہیں آتی بے شمار ایسے لوگ ہیں جنہوں نے یہ وصیت نامہ نہیں لکھا ۔ اس کے باوجود ان کے چہرے سیاہ نہیں ہوئے اور لاکھوں اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے سینکڑوں دفعہ لکھا اس کے باوجود ان کا قرض رفع نہیں ہوا ۔ اور ان کی فقیری اور تنگدستی نے ان کا دامن نہ چھوڑا ۔ ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ٹیڑھا پن پیدا نہ ہو جائے اور گناہوں سے زنگ آلود نہ ہو جائیں ۔ یہ جزا

شریعت نے بھی اس شخص کے لئے مقرر نہیں کی جس نے اس سے افضل اور اعظم کتاب یعنی قرآن مجید کو لکھا۔ تو اس سے کم درجہ کی شے یعنی وصیت نامہ کے لکھنے سے، جو سراسر جھوٹ کا پلندہ اور غلط باتوں پر مشتمل ہے کیسے ہو سکتی ہے۔ اس میں کئی جملے کفر یہ ہیں۔ خداوند تعالیٰ کس قدر رحیم اور بردبار ہے کہ اس جھوٹ بنانے والے پہ دلیری کرنے والے کی بازپرس نہیں کرتا۔

اس کی تکذیب کفر کیوں کر ہو سکتی ہے

دلیل نمبر ۵ جو شخص اس کی تصدیق کرے گا وہ آگ سے نجات پائے گا اور جو اسے جھٹلائے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ یہ بھی بڑی دلیری سے اس نے جھوٹ بنایا ہے اور سراسر غلط بات ہے۔ یہ مفتری لوگوں کو کہتا ہے کہ میرے جھوٹ کی تصدیق کرو۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ان کے لئے آگ کے عذاب سے رہائی کا باعث ہوگا۔ خدا کی قسم یہ بہت بڑا کذاب ہے۔ اس نے اللہ پہ جھوٹ باندھا ہے۔ اس نے یہ بالکل غلط بات کہی ہے۔ اس لئے میں تو کہتا ہوں کہ جو شخص اس کی تصدیق کرے گا، وہ کفر کا مستحق ہوگا اور جو اسے جھٹلائے گا وہ کافر نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ سراسر جھوٹ اور غلط بات ہے اس کی بنیاد ہی غلط ہے ہم اللہ کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ صاف جھوٹ ہے اور اس کا بنانے والا جھوٹا ہے وہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے لئے ایسی شریعت پیش کرے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ وہ دین میں ایسی باتیں داخل کرنا چاہتا ہے جو دین میں داخل نہیں۔ خدا کی قسم دین کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اس جھوٹ سے چودہ سو سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دین کو پورا کر دیا۔

جھوٹے شخص کی قسم قابلِ اعتبار نہیں

اے پڑھنے والے بھائیو! خبردار! اس قسم کی جھوٹی باتوں کی تصدیق مت کرو۔ ایسی باتیں تم میں رواج نہ پائیں۔ کیونکہ حق ایک روشنی ہے تلاش کرنے والے کو اس میں شبہ نہیں پڑتا۔ مگر حق کو دلیل کے ساتھ تلاش کرو۔ اور جو دقت پیش آئے۔ اس کے متعلق اہلِ علم کی طرف رجوع کرو۔ ابلیس لعین نے تمہارے والدین (حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواؑ) کو دھوکا دیا تھا اور قسمیں بھی کھا تا رہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اس سے بچ جاؤ۔ میں بار دگر کہتا ہوں کہ اس سے اور اس کے تابعداروں سے جو جھوٹ باندھتے ہیں، بچ جاؤ۔ وہ اور اس کے پیروکار کتنی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور کتنے معاہدے توڑتے ہیں۔ لوگوں کو گمراہ اور پھسلانے کے لئے کتنے دلکش اور خوشنما اقوال پیش

کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو شیطانوں کی شر سے اور گمراہ کرنے والے فتنوں اور ٹیڑھا کرنے والوں کے ٹیڑھا پن سے بچائے اور اللہ کے دشمنوں کی تلبیس اور مکر و فریب کے جال سے محفوظ رکھے۔ یہ لوگ اللہ کے نور (دین اسلام) کو اپنے مونہوں سے (پھونکیں مار مار کر) بجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور دین کو خلط ملط کرنا چاہتے ہیں (لیکن ان کی ایک نہیں چلتی) کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے دین کا مددگار ہے۔ خواہ اللہ کے دشمن یعنی شیطان اور اس کے تابعدار کفار اور ملحد لوگ اسے برا مانیں۔

بُرائی کو روکنے کے لیے کتاب وسنت کافی ہیں

جہاں تک برائیوں کے عام ہونے کے متعلق اس نے لکھا ہے کہ یہ بات درست ہے۔ قرآن کریم اور سنتِ مطہرہ نے منکرات اور فواحش سے بہت ڈرایا دھمکایا ہے۔ ان دونوں (قرآن کریم اور سنت نبوی) کی پیروی میں ہدایت ہے اور ہدایت کے لیے یہ دونوں کافی ہیں۔ ہم اللہ کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمائے اور حق کی پیروی کرنے کی توفیق بخشے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک احسانِ عظیم ہے کہ حق پر پختہ رہنے کی توفیق بخشے۔ ہم اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں کہ ہماری توبہ قبول فرمائے اور گناہوں اور لغزشوں سے چشم پوشی فرمائے۔ وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

قیامت کی علامات کا ذکر

رہی یہ بات کہ اس میں قیامت کی علامات اور شرائط کا ذکر ہے تو اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں میں علاماتِ قیامت کا مفصل ذکر فرمایا ہے قرآن کریم نے بھی بعض شرائط اور علامات کا ذکر کیا ہے۔ جو شخص ان سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ کتب سنن میں مناسب مقام پر ان کا ذکر پائے گا۔ علاوہ ازیں اہلِ علم اور اہلِ ایمان کی مؤلفات میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ لوگوں کو اس مفتری کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس نے حق و باطل کو ملا دیا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر ہم نہ گناہ سے بچنے کی ہمت رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کی نصرت و یاری کے بغیر نیکی کرنے کی توفیق پاتے ہیں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰى عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهِ الصَّادِقِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

تعزیرات اسلام — برق التوحیدی

قتل شبہ عمد

(۱۰)

قولہ اگر آلہ کو مسلسل استعمال کیا گیا ہو تو احناف کے نزدیک اس صورت میں بھی قتل شبہ عمد ہوگا...... البتہ امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں قتل عمد ہوگا۔ (ترجمان القرآن فروری ۱۹۶۹ء ص۱۳ دفعہ ۱۵)

اقول ہم پہلے کسی موقعہ پر غالباً بالتفصیل عرض کر چکے ہیں۔ کہ ہتھیار میں تلوار کو خاص کرنا یا ایسی شروط عائد کرنا جن سے عموماً مستعمل چیزیں خارج ہو جائیں محض فنکاری ہے۔ اس فنکاری میں ماہر و مستغرق قاضی صاحب موصوف نے اس موقعہ پہ بھی حسبِ معمول یہ فرق بیان کرتے ہوئے فقہ حنفی کو سند صحت سے نوازنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ امام شافعی کا مؤقف بالکل واضح ہے کہ ایک ایسا آلہ جس سے عموماً قتل واقع نہ ہوتا ہو لیکن تعدد ضربات جب موجب قتل ہوں تو اس آلہ کو بھی آلۂ قتل شمار کیا جائے گا اور من وجہ یہی فرق ہے قتل عمد اور شبہ عمد میں —— لیکن اس میں نیتِ قاتل کو دخیل سمجھنا یقیناً ابطال حدود کے مترادف ہے کیونکہ اعتبار نیت عند اللہ مسموع ہے جبکہ دنیا میں اجرائے حدود میں ظاہر اور شہود و قرائن کو معتبر سمجھا جاتا ہے کہ نیت دل کا فعل ہے جس کو قاتل بڑی آسانی سے تبدیل کر سکتا ہے۔ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں۔

وعمدة من اثبت الوسط ان النيات لا يطلع عليها الا الله تبارك وتعالى وانما الحكم بما ظهر فمن قصد ضرب آخر بآلة تقتل غالبا كان حكمه الحكم الغالب"

ہاں اگر کوئی قاتل بآواز بلند پکارے کہ میں مارتا ہوں فلاں بن فلاں کو زنگ الیا تدولیا منہ طرف قبلہ شریف بمد نیت صالح بحضور چند افراد تو پھر ممکن ہے کہ وہ افراد کہیں اس کی نیت تادیب تھی نہ کہ قتل —— لہٰذا تعدد ضربات کے باوجود یہ قتل شبہ عمد ہوگا۔ ورنہ ہر ذی فہم اس بات کا ادراک کر سکتا کہ ایک شخص معمولی آلۂ تادیب کو متعدد مرتبہ استعمال کر کے قصداً دوسرے شخص کو

قتل کر دیتا ہے تو اس کی سزا کیا ہونی چاہیئے؟ کیا صرف آلہ تادیب ہی رتبع قصاص کے لئے کافی ہے۔؟

حدیث موصوف نے فقہ حنفی کی تائید میں حدیث "العمد قود" پیش فرمائی ہے کہ اس میں عمد کا فرد کامل مراد ہے جو کہ صرف قتل عمد متحقق ہوتا ہے حالانکہ توالی ضربات میں بھی عمد کا فرد کامل من وجہ موجود رہے تو پھر اس تفریق کا کیا معنی؟ امام ابن حزم حضرت حسن بصری سے فرماتے ہیں کہ :-

"من ضرب آخر بعصا فاعاد علیہ الضرب فمات فعلیہ القود" (محلی ج ۱۰ ص ۳۸۶)

امام شعبی فرماتے ہیں :-

"اذا اعاد علیہ الضرب بالحجر والعصا فھو قود" (ایضاً)

یعنی جب تعدد ضربات بھی عمد پر دال آئی تو شبہ عمد کی اس صورت میں بھی قصاص ضروری ہوگا۔

امام شافعی فرماتے ہیں :-

"او والی علیہ السوط حتی یموت ...... فعلیہ القود" (کتاب الام ج ۵ ص ۹۶)

یعنی کوڑے سے توالی ضربات بھی موجب قصاص ہے اور عقل ونقل کے اعتبار سے اسی صورت میں امام شافعی کا موقف صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص غیر آہنی یا عام آلہ قتل کے علاوہ کسی معلوم آلہ سے مسلسل وار کر کے کسی کو عمد کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اگر وہ تعدد ضربات کے علاوہ مر جائے تو اسے شبہ عمد یا امام مالک کے مطابق قتل خطأ کہا جائے گا کیونکہ تعدد ضربات اس احتمال کو خارج کر دیتی ہیں جو تادیب وتہذیب سے پیدا ہوتا ہے ورنہ حدیث تو واضح ہے کہ "قتیل السوط والعصا شبہ العمد" لیکن اس کا صحیح محمل عدم تسلسل کی صورت ہے جس کے دیگر لوازمات موجود ہوں۔

امام مالک کا موقف اس بحث کے علاوہ امام مالک کا موقف بھی خصوصی توجہ کا متقاضی ہے کہ قتل صرف دو قسم کا ہوتا ہے یعنی قتل عمد اور قتل خطأ ——— کیونکہ جب کوئی شخص کسی کو عمداً ایسے آلہ سے قتل کرتا ہے جو عموماً قتل کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ اس کو تو شبہ عمد کہہ کر معاف کر دیا جائے۔ اور جو اس کے علاوہ آہنی اور جری آلہ سے قتل کرے وہ عمد ہو اس وجہ سے ناقابل فہم ہے کہ ارادہ تو دونوں کا یکساں ہے پھر یہ فرق چہ معنی دارد؟ یعنی فرق صرف ارادہ ونیت کا ہونا چاہیئے اگر وہ عمداً قتل کرتا ہے خواہ اس کی کوئی صورت بھی کیوں نہ ہو اسے ما

عمد کی سزا یعنی قصاص ہونی چاہیے۔ اگر اس سے یہ قتل خطاءً ہوا ہے تو پھر دیت لی جائے اور اور یہ ارادہ اقرار و قرائن سے معلوم ہو گا۔ لہٰذا اس دور میں علماء کو شبہ عمد کی بحث پر نظر ثانی کرتے ہوئے امام مالکؒ کے موقف کو سنجیدگی سے دیکھنا چاہیے جس کے اختیار کرنے سے بہت سی الجھنوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ [2]

قولہ لاٹھی، کوڑا خواہ چھوٹا ہو بڑا کے ذریعہ قتل شبہ عمد ہو گا۔ (دفعہ ۱۰ مثال ۲)

اقول یعنی امام شافعی کے نزدیک بڑی لاٹھی یا ثقیل پتھر موجب قصاص ہو گا اور احناف میں سے ابو یوسف، محمد کا بھی یہی خیال ہے کیونکہ ایسی چیزوں سے بالعموم قتل واقع ہو جاتے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ ثقیل و خفیف کی شرط کو معتبر نہیں سمجھتے بلکہ علی الاطلاق اسے شبہ عمد کہتے ہیں اور اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے کہ "قتیل خطا العمد قتیل السوط والعصا" حالانکہ اس سے ایک تو تعدد کی مذکورہ صورت مستثنیٰ ہے دوم صورت ثقل مستثنیٰ ہے یعنی کیا اس اطلاق کا یہ معنی ہے کہ اگر کوئی شخص شہتیر کو لاٹھی سمجھ کر پھینک دے تو یہ بھی شبہ عمد ہی ہو گا۔ علامہ فراء حنبلی فرماتے ہیں۔

او یقتل غالباً بثقلہ کالحجارۃ والخشب فھو قتل عمد یوجب القود

(الاحکام السلطانیہ ص۲۵۶)

علامہ ماوردی فرماتے ہیں۔

اوما یقتل غالباً بثقلہ غالباً کالحجارۃ والخشب فھو قتل عمد یوجب الحد (الاحکام السلطانیہ ص۲۳۱)

اس کے بعد موصوف نے تیسری مثال گلا گھونٹ کر قتل کرنے کی دی ہے جس کو امام ابو حنیفہ شبہ عمد اور امام شافعی، احناف میں سے امام ابو یوسف و محمد اور امام احمد، نخعی، عمر بن عبد العزیز وغیرہ نے اس کو عمد قرار دیا ہے امام شافعی فرماتے ہیں

"او نابعہ علیہ الخنق ..... فمات فعلیہ القود" (کتاب الام ج۵ ص۹۷)

اور یہاں بھی عمد اسی وقت متحقق ہو گا جب اس میں تسلسل و توالی ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یکبارگی

---

[2] امام ابن قدامہ فرماتے ہیں۔ ومن ھذا النوع ان یلقی علیہ حائطا او صخرۃ او خشبۃ عظیمۃ او ما اشبہ مما یھلکہ غالبا فیھلکہ فعلیہ القود لانہ یقتل غالباً والنوع الثانی ان یضربہ بمثقل صغیر کالعصی والسوط والحجر الصغیر او یلکزہ بیدہ فی مقتل ...... او کرر الضرب فی قتلہ بما یقتل غالبا فیہ القود"

(المغنی ج۹ ص۳۲۳)

بھی ہو سکتا ہے علامہ جزیری مالکیہ کے تحت فرماتے ہیں۔

"او خنقہ بیدہ فیجب علیہ القود فی کل ذلک ان قصد بذلک موتہ او علم انہ یموت من ذلک: (فقہ علی المذاهب ص۲۷۵ ج۵)

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

"احدھا ان یجعل فی عنقہ خراطۃ ویعلقہ فی خشبۃ...... فیختنق ویموت فھذا عمد سواء مات فی الحال اوبقی زمنا...... والثانی ان یخنقہ وھو علی الارض بیدیہ او منديل او حبل او یغمہ بوسادۃ او بشیئ یضعہ علی فیہ وانفہ او یضع یدیہ علیھما فیموت فھذا ان فعل بہ ذلک مدۃ یموت فی مثلھا غالباً فمات فھو عمد فیہ القصاص"

(المغنی ص۳۳۵ ج۹)

یعنی اگر کوئی شخص کسی کا گلا دبا دے خواہ ہاتھ سے ہو یا رسی سے یا اس کے منہ یا ناک پر رو تکیہ یا ہاتھ رکھ کر سانس بند کر دے اور وہ مر جائے تو یہ قتل عمد موجب قصاص ہوگا۔ اسی طر خسیتین کے ملنے اور غرق کرنے کا مسئلہ ہے یعنی اگر اس میں تعدد و تسلسل ہے یا پانی کی کثرت اس کا قرینہ ہے تو وہ قتل عمد ہوگا۔ جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ تمام صورتیں شبہ عمد کی ہیں اور موصو اس سلسلہ میں تقریباً منفرد ہیں جبکہ صحیح موقف وہی ہے جو امام شافعی وغیرہ نے اختیار کیا ہے واللہ اعلم۔

دھوکہ دہی قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں احناف کے نزدیک اگر کوئی کھانے پینے کی چیزوں میں زہر ملا دے اور کوئی شخص کھا کر ہلاک ہو جائے تو اس کو تعزیری سزا دی جائے یعنی قص نہیں لیا جائے گا۔

محترم قارئین ہم اس سے قبل بھی متعدد مرتبہ یہ بات بڑے افسوس سے لکھ چکے ہیں کہ فقہ حنف کی ایسی موشگافیوں کو عوام کے سامنے رکھنے سے کیا فائدہ؟ لیکن ایک مقلد سے ایسے ہی حق اطا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ حالانکہ احادیث میں واضح طور پر ہے کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے خیبر کے موقعہ پر بشر بن البراء کے بدلہ یہودی کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا کہ اس نے دھوکہ سے زہر کھلا دی تھی یعنی دھوکہ سے زہر کھلانے والے پر قصاص ہے۔ علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

"النوع الخامس ان یسقیہ سما او یطعمہ شیئاً قاتلا فیموت

بہ فھو عمد موجب للقود اذا کان مثلہ یقتل غالبا" الخ

(المغنی صـ ۳۲۸ ج ۹)

بہر حال اس واضح حدیث کی موجودگی میں عوام کو دہوکہ دہی کی ترغیب دینا کہاں تک اصلاح معاشرہ کی کوشش ہے؟ اور محض سرسری اور سطحی احتمالات وشبہات کی وجہ سے اگر احناف قصاص جیسی انتہائی حد کو جاری کرنے سے بشرملتے ہیں۔ تو ایک خون مسلم تو رائیگاں جائے اور جناب خاموش تماشائی بنے رہیں۔

ایک تجویز | قاضی موصوف نے احناف کی پوری وکالت کرتے اور ہر جائز ناجائز طریقہ سے حنفیت کی تائید کرتے ہیں جب ناکامی محسوس کی تو احناف کے فیصلہ کو مقتضائے حال کے مطابق نہ سمجھتے ہوئے ایک تجویز پیش کی ہے۔ کہ امام شافعی وامام احمد کے قول پر عمل کر لیا جائے ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ تقلیدی جمود ٹوٹا اور بڑی شان بے نیازی سے ٹوٹا ــــــ لیکن ہم اس کے ساتھ ایک تجویز اور رکھتے ہیں کہ موصوف حنفیت سے تائب ہو کر " آسمان سے گرا کھجور پہ اٹکا" کا مصداق نہ بنیں۔ بلکہ سیدھے اس بات کا اعتراف کریں کہ پوری فقہ حنفی اور دیگر فقہ ائمہ کو کتاب وسنت کی روشنی میں دیکھا جائے رجحانات کتاب وسنت کے مطابق ہو اسے اخذ کر لیا جائے ورنہ ترک کر دیا خواہ کسی فقہ سے وہ ملا کیوں نہ ہو۔ " خذ ما صفی ودع ما کدر" کیونکہ حالات کا تقاضا کوئی فقہ بھی پورا نہیں کر سکتی کہ یہ خاصہ ہے صرف قانون خداوندی اور معصوم پیغمبر کی شریعت کا۔ اگر یہ بات فقہ حنفی میں ہو جیسا کہ احباب کوشش کر رہے ہیں تو پھر دونوں میں فرق کیا رہے گا اور یہی ہے مسلک اہلحدیث اور دعوت محدثین اور اس کا یہ دعویٰ ہے کہ حالات کی اگر صحیح ترجمانی کوئی قانون یا فقہ کر سکتی ہے تو وہ قانون الٰہی اور فقہ محمدی ہے نہ کہ فقہ حنفی وغیرہ اور اس واضح اعتراف حقیقت کے باوجود فتاویٰ عالمگیری یا فقہ حنفی وغیرہ کے نفاذ کا مطالبہ حقیقتہً عوام کو گمراہ کرنے کے علاوہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔

مجھے امید ہے کہ موصوف اور ان کا حلقہ احباب میری اس تجویز پہ سنجیدگی سے غور کریں گے اور پھر فقہ حنفی کی اس قدر جوش وخروش اور کذب ودجل سے ترجمانی کی نوبت نہیں آئے گی انشاء اللہ العزیز۔

حکومت وقت | اس موقعہ پہ ہم حکومتِ وقت کو مطلع کرنا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اہلحدیث حضرات وقتاً فوقتاً یہ مطالبہ کرتے رہتے ہیں اور دلائل سے اسے زینت بخشتے ہیں کہ اگر آپ اس

ملک کی فلاح وبہبود میں مخلص ہیں تو پھر یہاں فی الفور قرآن وسنت کا وہ نظام فی الفور نافذ کر دیا جائے جسے نبی علیہ السلام لے کر آئے اور خلافت راشدہ کے دور میں اس کی تعبیر سامنے آئی کیونکہ یہی قیامت تک کے ہمہ قسم کے مسائل کا واحد حل ہے اور اگر اس کے علاوہ کسی انسانی قانون کی طرف توجہ دیتے ہوئے کسی فقہ کو نافذ کیا گیا تو پھر یہی نہیں کہ اہلحدیث حضرات اس کے پابند و مکلف نہ ہوں گے بلکہ اس کی بھرپور مزاحمت کرتے ہوئے کتاب وسنت کے کامل و غیر متغیر قانون کے نفاذ کی جدوجہد جاری رکھی جائے گی۔ اور حکومت کو یقین کر لینا چاہیئے کہ یہ فرمانِ نبوی برحق ہے کہ "یرفع اللہ بہ اقواماً ویضع بہ اٰخرین" یعنی کتاب اللہ پر عمل کرنے سے اللہ بہت سی اقوام کو نہایت بلند مقام سے نوازتا ہے اور دوسروں کو نہایت ذلیل ورسوا کر دیتا ہے۔ شاید ہماری موجودہ ذلت کا سبب بھی یہی بات ہو۔ لہٰذا حکومت کو اس فرض منصبی کی فوری ادائیگی پر سنجیدگی سے غور کرنا ہو گا کہ عنداللہ خلاصی بھی اسی میں ہے اور عوام سے کیئے ہوئے وعدوں کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور حکومت کو اسلامی نظام کے عملی نفاذ کی توفیق بخشے۔ آمین



مشاہیرِ اسلام

جناب عبد الرؤف ظفر

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ

(سیر و سوانح و افکار و عقائد)

دُنیا کی تمام زندہ قومیں اپنے مشاہیر کی یاد سے اپنے دلوں کو گرماتی اور تازہ دم ہو جاتی ہیں لیکن ملّتِ اسلامیہ اپنے مزاج کے لحاظ سے بالکل جداگانہ نوعیت کی ہے۔ یہ قوم اپنی رُوح کی تازگی کے لیے ہمیشہ حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیبہ سے حصولِ فیض کرتی ہے۔ اور ان برگزیدہ شخصیتوں کی یاد سے اپنے دلوں کو گرماتی ہے جن کی زندگیاں اسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھلی ہوں اور انسانیت کا جیتا جاگتا نمونہ بن گئی ہوں۔ یہ شخصیتیں جہانِ فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد ختم نہیں ہوتیں بلکہ حیاتِ جاوید پاتی ہیں۔ حافظ شیرازی نے خوب فرمایا:

ہرگز نہ میرد آنکہ دِلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اِن ہی بزرگ شخصیتوں میں ایک نمایاں اور ممتاز شخصیت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کی ہے۔ آپ توحید خالص، اتباعِ رسول، اقامتِ دین، اصلاحِ معاشرہ اور احیائے اسلام کے علمبردار تھے۔ آپ کو اس جہانِ رنگ و بُو سے رخصتِ سفر باندھے ہوئے آٹھ سو سال گزر چکے ہیں لیکن آپ کی یاد زندہ اور ذکرِ خیر گلاب و یاسمن کی مانند عطر بیز ہے۔

ولادت باسعادت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی ولادت ایران کے ایک صوبہ جیلان[1] (گیلان) میں ۴۷۰ھ[2] میں ہوئی۔

---

[1] دائرۃ المعارف (للبنانی)

[2] المنتظم (ابن جوزی) البدایہ والنہایہ (حافظ ابن کثیر) ذیل طبقات الحنابلہ (ابن رجب) بحوالہ تاریخ دعوت عظمت اوّل (تاج العروس شیخ شریف مرتضیٰ) بحوالہ غنیۃ الطالبین اوّل)

نسب نامہ آپ کا سلسلہ نسب تمام مستند کتابوں میں مرقوم ہے، اور جو آپ کی آل اور اولاد، مریدین و معتقدین کے پاس ابتدا ہی سے نسلاً بعد نسلٍ محفوظ چلا آتا ہے۔

آپ کا آبائی سلسلہ حضرت حسنؓ اور مادری سلسلہ حضرت حسینؓ سے ملتا ہے اس لیے آپ حسنی حسینی سید تھے[۳] مختلف قرابتوں کے لحاظ سے آپ کا نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ سے بھی جا ملتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ صدیقی، فاروقی اور عثمانی بھی ہیں۔

تعلیم و تربیت آپ نے ایک علمی گھرانے میں جنم لیا تھا۔ آپ کے والد سیدنا ابوصالح موسیٰ اپنے وقت کے ممتاز عارف باللہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ ام الخیر فاطمہ ثانیہ بھی عظیم المرتبت نیک خاتون تھیں۔ لہٰذا آپ کی سب سے بڑی تربیت گاہ آغوشِ والدین اور ان کا گھر تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم والدین سے حاصل کی۔ قرآن مجید ان ہی سے حفظ کیا۔ ابھی آپ دس برس کے ہی تھے کہ اچانک ۴۸۱ھ میں آپ کے والد ماجد نے انتقال فرمایا۔ آپ کو داغ یتیمی سہنا پڑا۔ آپ کی والدہ جو ایک نہایت زیرک خاتون تھیں اور سچی مسلمان تھیں نے اس دریتیم کی مستقبل کی تمام راہوں اور زندگی کے تمام گوشوں کو سنوارنے اور چمکانے کی جانب پوری توجہ دی۔ آپ نے اپنی عظیم ماں کی نگرانی میں اٹھارہ سال کی عمر تک جیلان ہی میں تعلیم حاصل کی۔ مزید اعلیٰ تعلیم کا جیلان میں انتظام نہیں تھا۔ اُن کی بلند حوصلہ والدہ نے بخوشی آپ کو ۴۸۸ھ میں بغداد روانہ کر دیا۔ یہی وہ سال ہے جس میں امام غزالیؒ نے تلاش حق و حصول یقین کے لیے بغداد کو خیرباد کہا تھا۔ یہ محض اتفاق نہیں کہ ایک جلیل القدر امام سے جب بغداد محروم ہوا تو دوسرا جلیل القدر مصلح اور داعی الی اللہ وہاں وارد ہوا۔[۴]

اساتذہ و شیوخ مملکت اسلامیہ کے دارالخلافہ بغداد میں آپ شیخ طریقت ابوالخیر حماد[۵] بن مسلم الدباس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے رموزِ طریقت حاصل کیے۔ پھر زہاد میں بلند مرتبت قاضی ابوسعیدؒ مخرمی سے تکمیل کی اجازت حاصل کی۔ ان کے علاوہ اُن کے اساتذہ میں ابوالوفاء ابن عقیل بغدادیؒ محمد بن حسن الباقلانیؒ اور ابوزکریا تبریزی

---

[۳] البدایہ والنہایہ ص ۲۵۲ جلد ۱۲ [۴] شعرانی [۵] ابن کثیر میں حدیث میں کمال کا ذکر ہے۔

جیسے نامور علماء اور ائمہ فن شامل ہیں۔ عبادت و مجاہدات کی طرف طبعی کشش کے باوجود آپ نے تحصیل علم میں بضاعت و زہد سے کام نہیں لیا بلکہ پوری دستگاہ حاصل کی۔

حلیہ مبارک

آپ کا بدن مبارک نحیف۔ قد میانہ۔ رنگ گندم گوں۔ سینہ چوڑا۔ ریشِ اقدس عریض وطویل۔ پیشانی کشادہ۔ ابرو پیوستہ۔ آواز بلند اور اس میں ایک گونہ سرعت تھی۔ آپ کے کلام کے رعب سے سننے والے پر ہیبت طاری ہو جاتی۔ یہی حالت آنکھوں کی تھی جس کی طرف ایک بار نظر اٹھا کر دیکھ لیتے وہ مطیع ہو جاتا۔

معاملہ و اخلاق

ظاہری اور باطنی تکمیل کے بعد اصلاح وارشاد کی طرف متوجہ ہوئے۔ مسند درس اور مسند ارشاد کو بیک وقت زینت دی۔ بغداد کے رہنے والے آپ کی تقاریر پر ٹوٹ پڑتے۔ آپ کو اللہ نے ایسی وجاہت وقبولیت عنایت فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہ ہوئی۔ بادشاہ وزراء آپ کی مجلسوں میں نیازمندانہ حاضر ہوتے۔

بایں رفعت ومنزلت حد درجہ منکسر المزاج تھے۔ غریبوں اور فقیروں کے ساتھ بیٹھتے اس کے برخلاف کسی معزز آدمی اور ارکانِ سلطنت کی تعظیم میں کھڑے نہ ہوتے[1] خلیفہ کی آمد پر قصداً گھر چلے جاتے۔ خلیفہ آکر بیٹھ جاتا تو پھر تشریف لاتے تاکہ تعظیماً کھڑا نہ ہونا پڑے[2]۔ آپ کے دیکھنے والے اور دیگر معاصرین آپ کے حسنِ اخلاق، علو حوصلہ، تواضع وانکساری، سخاوت وایثار اور اعلیٰ اخلاقی اوصاف کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ الامام الحافظ ابو عبداللہ محمد بن یوسف البرزالی الاشبیلی ان الفاظ میں آپ کی تعریف کرتے ہیں:۔

کان مجاب الدعوۃ سریع الدمعۃ دائم الذکر کثیر الفکر رقیق القلب، دائم البشر، کریم النفس، سخی الید، غزیر العلم شریف الاخلاق، طیب الاعراق	آپ مستجاب الدعوات تھے (اگر کوئی عبرت اور رقت کی بات کی جاتی تو) جلدی آنکھوں میں آنسو آجاتے، ہمیشہ ذکر وفکر میں مشغول رہتے۔ بڑے رقیق القلب تھے۔ خندہ پیشانی، شگفتہ رو، کریم النفس، فراخ دست، وسیع العلم، بلند

---

[1] الطبقات الکبریٰ للشعرانی جلد ۱ ص ۱۲۷

[2] الطبقات الکبریٰ للشعرانی جلد ۱ ص ۱۲۸

مع قدم راسخ فی العبادة والاجتهاد شه

اخلاق، عالی نسب، عبادت اور مجاہدات میں آپ کا پایہ بلند تھا:

ایک بزرگ حرادہ فرماتے ہیں:

ما رأت عیناى احسن خلقاً ولا اوسع صدراً ولا اکرم نفساً ولا الطف قلبا ولا احفظ عهداً وودّاً من سیدنا الشیخ عبد القادر لقد کان مع جلالة قدره وعلو منزلته وسعة علمه یقف مع الفقیر ویوقر الکبیر ویبدأ بالسلام ویجالس الضعفاء ویتواضع للفقراء وما قام لاحد من العظماء ولا الاعیان ولا الم بباب وزیر ولا سلطان[۹]

میری آنکھوں نے شیخ عبدالقادر سے بڑھ کر کوئی خوش اخلاق، فراخ حوصلہ، کریم النفس رفیق القلب، محبت اور تعلقات کا پاس کرنے والا نہیں دیکھا۔ آپ اپنی عظمت علو مرتبت اور وسعت علم کے باوجود چھوٹے کی رعایت فرماتے، بڑے کی عزت کرتے، سلام میں سبقت کرتے۔ کمزوروں کے پاس اٹھتے بیٹھتے۔ غریبوں کے ساتھ تواضع و انکساری سے پیش آتے حالانکہ آپ کسی سربرآوردہ یا رئیس کے لیے کھڑے نہیں ہوتے اور نہ کسی وزیر یا حاکم کے دروازہ پر گئے۔

مفتی عراق محی الدین ابوعبداللہ محمد بن حامد بغدادی لکھتے ہیں۔

ابعد الناس عن الفحش۔ اقرب الناس الی الحق، شدید الباس اذا انتهکت محارم الله عز وجل لا یغضب لنفسه ولا ینتصر لغیر به

غیر مہذب بات سے انتہائی دور رہتے اور معقول بات سے بہت قریب اگر حدود الٰہی اور احکام الٰہی پر دست درازی ہوتی تو آپ کو جلال آ جاتا۔ اپنے معاملہ میں کبھی غصہ نہ آتا۔ اللہ کے علاوہ کسی چیز کے لیے انتقام نہ لیتے۔

آپ محبت، سخاوت فرماتے۔ حکم دیا تھا رات کو وسیع دستر خوان بچھے۔ خود مہمانوں کے ساتھ

شه قلائد الجواہر ۹ه الفتا ص ۹

کھانا تناول فرماتے، کمزوروں اور غریبوں کی ہم نشینی فرماتے، طلباء کی باتوں کو برداشت فرماتے اور تحمل سے کام لیتے۔ ہر شخص یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی اُن کا مقرب نہیں۔ ساتھیوں میں سے جو غیر حاضر ہوتا اس کا حال دریافت فرماتے۔ اور اُس کی فکر کرتے۔ تعلقات کا بڑا پاس اور لحاظ تھا۔ غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگذر کرتے۔ اگر کوئی کسی بات پر قسم کھا لیتا تو اُس کو مان لیتے اور جو کچھ جانتے تھے اس کا اخفا فرماتے۔[۱۰]

روحانیت کی لہر

آپ نے خلوص کے ساتھ وعظ و ارشاد، اصلاح نفوس اور تزکیہ قلوب کی طرف توجہ دی۔ اور نفاق حب دنیا کی تحقیر و تذلیل، ایمانی شعور کے احیاء، عقیدہ آخرت کی تذکیر اور اس سرائے فانی کی بے ثباتی کے مقابلے میں اُس حیاتِ جاودانی کی اہمیت، تہذیب اخلاق، توحید خالص اور اخلاص کامل کی دعوت پر پورا زور صرف کیا۔ آپ کی کرامت کی کثرت پر مورخین کا اتفاق ہے۔ شیخ الاسلام عز الدین بن عبدالسلام اور امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ "شیخ کی کرامتیں حد تواتر کو پہنچ گئیں ہیں۔ ان میں سب سے بڑی کرامت عالم اسلام میں روحانیت کی نئی لہر پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی۔ آپ کا وجود اسلام کے لیے بادِ بہاری تھا۔ جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی رُوح ڈال دی۔[۱۱]

شیخ عمر کیسانی کہتے ہیں کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں اور رہزن، خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں۔ فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں۔[۱۲]

جُبّائی کا بیان ہے کہ مجھ سے شیخ نے ایک روز فرمایا کہ "میری تمنا ہے کہ زمانہ سابق کی طرح صحراؤں اور جنگلوں میں رہوں۔ نہ مخلوق مجھے دیکھے نہ میں اس کو دیکھوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے۔ میرے ہاتھ سے پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں۔ عیار اور جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔[۱۳] اس سلسلہ میں بچپن ہی سے

۱۰؎ قلائد الجواہر صـ۹

۱۱؎ جلاء العینین صـ۳۰

۱۲؎ قلائد الجواہر

۱۱؎ ذیل طبقات حنابلہ (ابن رجب)

۱۳؎ قلائد الجواہر

آپ لوگوں کی اصلاح کی طرف توجہ فرماتے تھے۔ کبھی کسی پہ زیادتی نہ کرتے، کبھی گالی نہ نکالتے۔ ہمیشہ سچ بولتے، اٹھارہ سال کی عمر میں جب آپ حصولِ علم کے لیے بغداد جارہے تھے تو راستہ میں آپ کا قافلہ لُٹ گیا۔ ایک ڈاکو نے آخر کار آپ سے بھی پوچھ لیا کہ تمہارے پاس کیا ہے۔ فرمایا: چالیس اشرفیاں ہیں۔ پوچھا کہاں ہیں۔ فرمایا گدڑی میں بغل کے نیچے سلی ہوئی ہیں۔ وہ سمجھا مذاق ہے، چلا گیا۔ ایک دوسرے نے پوچھا تو پھر اس کو بھی بتادیا۔ انہوں نے اپنے سردار سے ذکر کیا۔ سردار نے بلا کر پوچھا اور گدڑی کھولنے کے متعلق کہا۔ کھولی گئی تو چالیس اشرفیاں نکل آئیں۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ آپ نے اپنا راز فاش کیوں کیا۔ تو فرمایا "والدہ صاحبہ نے عہد لیا ہے کہ ہر حالت میں سچ بولنا۔ میں اُن کے عہد میں خیانت نہیں کرسکتا۔ سردار یہ کلام پُر تاثیر سن کر رو دیا۔ کہنے لگا تم اپنی والدہ کے عہد میں خیانت نہیں کرتے۔ میں کئی سالوں سے اللہ کے عہد میں خیانت کر رہا ہوں۔ فوراً توبہ کی۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کے ساتھ توبہ کرلی۔ مال قافلہ والوں کو واپس کردیا۔ حضرت نے فرمایا۔ یہ پہلا گروہ تھا جس نے میرے ہاتھ پہ اسلام قبول کیا۔

استقلال

آپ بہت مستقل مزاج تھے۔ تائید غیبی نے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا تھا کہ حق و باطل، نور و ظلمت، الہام صحیح اور کید شیطانی میں پورا امتیاز پیدا ہوگیا تھا۔ آپ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہوگئی تھی کہ شریعت محمدی کے احکام اور حلال و حرام میں قیامت تک کے لیے تغیر و تبدل کا امکان نہیں جو اس کے خلاف دعویٰ کرے وہ شیطان ہے۔ فرماتے ہیں ایک دفعہ ایک جنگل میں ایک عظیم روشنی ظاہر ہوئی جس سے آسمان کے کنارے بھر گئے۔ اس سے ایک صورت ظاہر ہوئی۔ اس نے مجھ سے خطاب کرکے کہا۔

اے عبدالقادر میں تمہارا خدا ہوں۔ وقد احللت لك المحرمات اوقال ما حرمت علی غیرك (میں نے تمہارے لیے وہ تمام چیزیں حلال کردی ہیں جو دوسروں کے لیے حرام ہیں)۔

میری زبان پر بے ساختہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم جاری ہوا۔ پھر دھتکار کر کہا دُور ہو مردود! یہ کہتے ہی وہ روشنی ظلمت میں تبدیل ہوگئی۔ اور وہ صورت دھواں بن گئی اور ایک آواز آئی عبدالقادر تم کو تمہارے علم اور تفقہ نے بچا لیا ورنہ اس طرح ستّر صوفیوں کو گمراہ کرچکا ہوں۔ میں نے کہا اللہ کی مہربانی نے مجھے تیری زد سے محفوظ رکھا ہے[۱۵]۔ یہ بھی آپ کا ارشاد ہے۔

۱۵ه الطبقات الکبریٰ الشعرانی ج ۱ ص ۱۲۰۔ طبقات حنابلہ ابن رجب

کہ حدود الٰہی میں سے کوئی حد ٹوٹتی ہو تو سمجھ لو کہ تم فتنہ میں پڑ گئے ہو۔ اور شیطان تم سے کھیل رہا ہے۔ فوراً شریعت کی طرف رجوع کرو۔ اس کو مضبوط تھام لو۔ نفس کی خواہشات کو جواب دو، اس لیے کہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت تائید نہیں کرتی، باطل ہے[۱]۔

توحید کا صحیح تصوّر

اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسان کا مقصد ہی اپنی عبادت قرار دیا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ اسی لحاظ سے تمام انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث ہی توحید کی اشاعت کے لیے کیا۔

وما ارسلنا من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون

علامہ اقبال رحؒ نے اسی تصور کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

خودی کا سرِ نہاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ۔۔۔ خودی ہے تیغ فساں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند ۔۔۔ بُتانِ وہم و گماں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند ۔۔۔ بہار ہو کہ خزاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ

حضور علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اسی توحید کے تصور کو ہی لوگوں کے ذہنوں میں بٹھایا — قرآن مجید میں ہے اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللہ ط اننی لکم منہ نذیرٌ وبشیرہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک میں نذیر اور بشیر ہوں (رپارہ ہود)

شیخ عبدالقادر جیلانی رح بہت بڑے موحد تھے۔ آپ کے درس و اسباق میں ہمیشہ توحید کے پیمانے چھلکتے رہے۔ توحید کا مضمون آپ کے مقالات کی جان اور مواعظ کی روح رواں تھا۔ آخری دم تک آپ توحید کی نشر و اشاعت میں منہمک رہے۔ زندگی کے آخری لمحات میں اپنے بیٹے شیخ عبدالوہاب کو فرماتے ہیں۔

عَلَیْکَ بتقویٰ اللہ ولا تخف ۔۔۔ خدا کا خوف لازم کر! خدا کے سوا کسی سے
احدًا سوی اللہ ولا ترج احدًا ۔۔۔ نہ ڈر اور نہ ہی اس کے سوا کسی سے اُمید رکھ
سوی اللہ وکل الحوائج الی اللہ ۔۔۔ اپنی تمام حاجتیں اللہ ہی کو سونپ اور اس
عزّ وجل ولا تعتمد اِلّا علیہ ۔۔۔ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کر جو مانگنا ہو اسی
واطلبہا جمیعا منہ ولا تثق ۔۔۔ سے مانگ۔ اس کے سوا کسی کی مدد پر تکیہ نہ کر

---

[۱] الطبقات الکبریٰ۔

باحد عبد الله عز وجل التوحید التوحید[1] (فتوح الغیب)

اللہ بڑی عزت وجلال والا ہے توحید کو مضبوط پکڑ، توحید کو لازم پکڑ۔

نافع وضار اللہ تعالیٰ ہی ہے

لا محیص لمخلوق من القدر المقدر الذی خط فی لوح المسطور وان الخلائق لو جهدوا ان ینفعوا المرء بما لم یقضه الله تعالیٰ لم یقدر علیه ولو جهدوا ان یضروه بما لم یقضه الله لم یستطیعوا اکما ورد فی خبر ابن عباس رض قال قال الله تعالیٰ وان یمسسک الله بضر فلا کاشف له الا هو وان یردک بخیر فلا راد لفضله یصیب به من یشاء من عباده[2]

"کسی مخلوق کو اس ارادے سے کہ خدا نے کیا اور لوح محفوظ میں رکھ دیا چارہ نہیں ہے، اگر تمام مخلوق کسی کو نفع پہنچانا چاہے جو اللہ نے اس کی قسمت میں نہیں کیا تو مخلوق اس نفع کو پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتی۔ اور اگر تمام مخلوق کسی کو نقصان پہنچانا چاہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں نہیں کیا تو مخلوق اس نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رض کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا" فرمان الٰہی ہے، اگر تجھے اللہ تکلیف پہنچانا چاہیں تو اس کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اور اگر اللہ تجھے بھلائی دیں تو اس کے فضل وکرم کو روکنے والا کوئی نہیں اپنے بندوں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل وکرم پہنچاتا ہے۔

خدا تعالیٰ کے سامنے مخلوق کی مثال

فرماتے ہیں: "کل مخلوق کو خدا تعالیٰ کے سامنے ایسے سمجھ جیسے ایک بادشاہ ہے جس کا ملک بہت وسیع ہے۔ حکم سخت اور دل ہلا دینے والا رعب ہے۔ اس کے ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور بیڑیاں پاؤں میں ڈال کر ایک صنوبر کے درخت کے ساتھ ایک دریا کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا، بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود بادشاہ ایک نفیس اور بلند کرسی پر ہے کہ اس تک پہنچنا مشکل ہے اور اس بادشاہ کے پاس تیر، تلوار، نیزہ و کمان وغیرہ آہنی ہتھیار ہیں کہ اس کا اندازہ اس بادشاہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اب ان چیزوں

---

[1] فتوح الغیب [2] غنیۃ الطالبین

میں سے جو چیز چاہتا ہے اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر مارتا ہے اور قیدی چونکہ جکڑا ہوا ہے اور اونچی جگہ لٹکا ہوا ہے اس لیے نہ وہ ہل سکتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی چھڑا سکتا ہے جو لوگ اپنی آنکھوں سے یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ وہ اگر اس قیدی سے ڈریں اور نفع ونقصان کی امیدیں رکھیں اور بادشاہ سے نہ رکھیں تو ان کے لیے افسوس ہے۔ کیا جو شخص ایسا کرے عقل کے نزدیک بے عقل۔ بے ادراک، دیوانہ، چوپایہ اور انسانیت سے خارج نہیں ہے یعنی یقیناً ایسا ہی ہے[۱۹]۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوق اس بے بس قیدی کی مانند ہے، زندگی، موت خوشی، غمی، سب کچھ مخلوق کو اسی کی طرف سے آتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ دم مار سکے۔

لفظ الٰہ کے معنی

ان الخلق یفزعون وینضرعون الیہ فی الحوادث والحوائج فھو یالھھم ای یجیرھم مسمی الٰھا[۲۰]۔

"بیشک اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کی بارگاہ میں عاجزی وگریہ زاری سے اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو پیش کرتی ہے پس وہ ان کی رفع حاجات فرماتا ہے اور پناہ دیتا ہے۔ اس لیے اس کا نام الٰہ (معبود) ہے۔"

مسئول و معطی

فلیکن لک مسئول واحد ومعطٍ واحد وھو ربک عزوجل الذی نواحی الملوک بیدہ وقلوب الخلق بیدہ[۲۱]

"تجھے ایک ہی سے مانگنا چاہیے اور تیرا دینے والا بھی صرف ایک ہے اور تیرا مقصود بھی ایک ہے اور وہ تیرا پروردگار ہے جس کے قبضہ میں بادشاہوں کی پیشانیاں ہیں اور جس کے قبضہ میں تمام مخلوق کے دل ہیں۔"

بقول اقبال اس کے باوجود ہماری حالت یہ ہے:

بتوں کو تجھ سے امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

ایک موقع پر ارشاد فرمایا "جب بندہ کسی بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پہلے خود اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر نجات نہیں پاتا تو مخلوقات میں اوروں سے مدد مانگتا ہے مثلاً بادشاہوں یا حاکموں

---

[۱۹] فتوح الغیب مقالہ ۱۷   [۲۰] خطبہ غنیۃ الطالبین

[۲۱] فتوح الغیب۔ مقالہ ۲۰

یا دُنیا داروں یا امیروں سے اور دکھ درد میں طبیبوں سے۔ جب اُن سے بھی کام نہیں نکلتا۔ اُس وقت اپنے پروردگار کی طرف دُعا و گریہ زاری وحمد و ثنا کے ساتھ رجوع کرتا ہے۔ پھر جب خدا کی طرف سے بھی مدد نظر نہیں آتی تو (بے بس ہو کر) خدا کا ہی ہو رہتا ہے۔ ہمیشہ سوال و دُعا، اور گریہ زاری اور ستائش و اظہار حاجتمندی رجا و خوف کے ساتھ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اُس کو دُعا سے تھکا دیتا ہے اور قبول نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ تمام اسباب علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس میں قضا و قدر کا نفاذ ہوتا ہے۔ اور اس کے اندر کام کرتا ہے تب بندہ کل اسباب و حرکات سے بے پروا ہو جاتا ہے اور روح صرف رہ جاتی ہے۔ اُسے فعل حق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اور وہ ضرور بالضرور صاحب یقین موحد ہوتا ہے۔ قطعی طور پر جانتا ہے کہ درحقیقت خدا کے سوا نہ کوئی کچھ کرنے والا ہے۔ نہ حرکت و سکون دینے والا ہے۔ نہ اُس کے سوا کسی کے ہاتھ میں اچھائی، بُرائی، نفع و نقصان، بخشش و حرمان، کشائش و بندش، موت و زندگی، عزت و ذلت، غنا و فقر، اس وقت (احکام قضا و قدر) میں بندہ کی یہ حالت ہوتی ہے، جیسے شیرخوار بچہ دایا کی گود میں یا مُردہ غسال کے ہاتھ میں یا (پولو) گیند سوار کے ہاتھ میں اُلٹا پلٹا جاتا ہے اور بگاڑا بنایا جاتا ہے۔ اس میں اپنی طرف سے کوئی حرکت نہیں نہ اپنے لیے نہ کسی اور کے لیے، یعنی بندہ اپنے مالک کے فعل میں اپنے نفس میں غائب ہو جاتا ہے اور اپنے مالک اور اس کے فعل کے سوا نہ کچھ دیکھتا سُنتا ہے، نہ کچھ سوچتا سمجھتا ہے۔ اگر دیکھتا ہے تو اُس کی صفت، اگر سنتا ہے تو اُس کا کلام، اس کے علم سے ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس کی نعمت سے لطف اٹھاتا ہے۔ اُس کے قرب سے سعادت پاتا ہے۔ اُس کے وعدہ سے خوش ہوتا، سکون اور اطمینان حاصل کرتا ہے۔ اُس کی باتوں سے مانوس ہوتا ہے۔ اور اس کے غیر سے نفرت کرتا ہے۔ اس کی یاد میں سرنگوں ہوتا ہے اور جی لگاتا ہے۔ اُسی کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے۔ اُس کے نور معرفت سے ہدایت پاتا اور اس کا خرقہ ولباس پہنتا ہے۔ اس کے علوم عجیب و نادر پر مطلع ہوتا ہے۔ اُس کی قدرت کے اسرار سے مشرف ہوتا ہے۔ اُس کی ذاتِ پاک سے سُنتا ہے اُسے یاد رکھتا ہے۔ پھر ان (نعمتوں) پر حمد و ثنا و شکر و سپاس بجا لاتا ہے۔[۲۲]

وحدانیت اور غیر اللہ کی بے ثباتی

اللہ کے علاوہ ہر چیز کے فنا ہونے کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے۔ اس کے سامنے رہو جو تمہارے سامنے رہتا ہے۔ اُس سے

[۲۲] فتوح الغیب مقالہ نمبر ۳ ترجمہ مولوی محمد عالم صاحب کاکوری (الغیب) صلا ۱۲-۱۳)

محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے۔ اس کی مانو جو تمہیں بلاتا ہے۔ ہاتھ اُسے دو جو تمہیں گرنے سے سنبھالے گا۔ اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکالے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا۔ نجاستیں دھو کر میل کچیل سے پاک کر دے گا۔ تم کو تمہاری سڑاند اور بدبو اور پست ہمتی اور نفس بدکار و رفیقانِ گمراہ و گمراہ کن سے نجات دے گا، جو شیاطین، خواہش اور تمہارے جاہل دوست، خدا کی راہ کے راہزن اور تم کو ہر نفیس، ہر عمدہ اور پسندیدہ چیز سے محروم رکھنے والے، کب تک عادت؟ کب تک خلق؟ کب تک تمنا؟ کب تک رعونت؟ کس وقت تک دُنیا؟ کب تک آخرت؟ کب تک ماسوائے حق؟ کہاں چلے تم؟! اس خدا کو چھوڑ کر جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور بنانے والا ہے۔ اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، دلوں کی محبت، روحوں کا اطمینان، گرانیوں سے سبکدوشی، بخشش و احسان، ان سب کا رجوع اسی کی طرف ہے اور اُسی کی طرف سے اُس کا صدور ہے[۲۳]۔

ایک دوسرے مقالہ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"ساری مخلوق عاجز ہے نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ حق تعالیٰ اس کو اُن کے ہاتھوں سے گرا دیتا ہے۔ اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے جو کچھ تیرے لیے مفید ہے یا مضر ہے۔ اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جو موحد اور نیکوکار ہیں وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں۔ بعض اُن میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں۔ گو دولت مند ہیں لیکن حق تعالیٰ اُن کے اندر ان پر دُنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا۔ یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں، جو شخص اس پر قادر ہوا اس کو مخلوقات کی بادشاہت مل گئی۔ بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوائے اللہ کے پاک کر لیا اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوق میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے۔ شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے اور توحید و معرفت اس کے باطن کو مہذب بناتی ہے[۲۴]۔"

ایک جگہ دنیا کی بے ثباتی کا یوں ذکر فرماتے ہیں:۔

"آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر اپنے درہموں پر،

۲۳؎ فتوح الغیب مقالہ ۶۲

۲۴؎ فیوضِ یزدانی ترجمہ فتح الربانی مجلس ۱۳

اپنی خرید و فروخت پر اور اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز کو جس پر تو اعتماد کرے تیرا معبود ہے - اور ہر وہ شخص جس سے تو خوف کرے یا توقع کرے وہ تیرا معبود ہے اور ہر وہ شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے تو وہ تیرا معبود ہے" [25]

دنیا میں اپنا مقسوم اس طرح مت کھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہو اور تو کھڑا ہو بلکہ اس کو بادشاہ کے دروازہ پر اس طرح کھا کہ تو بیٹھا ہو اور وہ طباق اپنے سر پر رکھے ہوئے کھڑی ہو۔ دنیا خدمت کرتی ہے اس کی جو حق تعالیٰ کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اور جو شخص دنیا کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اس کو ذلیل کرتی ہے رکھا حق تعالیٰ کے ساتھ عزت و تونگری کے قدم پر" [26]

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرماتے ہیں۔

" دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز، جیب میں رکھنی جائز، کسی اچھی نیت سے اس کو جمع رکھنا جائز باقی قلب میں رکھنا جائز نہیں (کہ دل سے بھی محبوب سمجھنے لگے) دروازہ پر اس کو کھڑا ہونا جائز باقی دروازے سے آگے گھسانا ناجائز ہے نہ تیرے لیے عزت ہے" [27]

حکام سے دوری اور اُن کو خدا خوفی کی تعلیم

آپ کبھی کسی خلیفہ یا وزیر کے دربار میں نہ گئے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس قسم کی خوشامد سے روکتے تھے۔ درباری علماء کی پُرزور تردید فرماتے تھے - اور خوفِ خدا پیدا کرتے تھے۔

ارشاد عالیہ ہے:-

"اے علم و عمل میں خیانت کرنے والو! تم کو ان سے کیا نسبت، اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو! اے بندگانِ خدا کے ڈاکوؤ! تم کھلے ظلم اور کھلے نفاق میں ہو۔ یہ نفاق کب تک رہے گا۔ اے عالمو! اے زاہدو! شاہان و سلاطین کے لیے کب تک منافق بنے رہو گے؟ کہ ان سے دنیا کا زر و مال اور اس کی شہوات و لذات لیتے رہو، تم اور اکثر بادشاہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کے مال اور اس کے بندوں کے متعلق ظالم اور خائن بنے ہوئے ہیں۔ بارالٰہا! منافقوں کی شوکت توڑ دے اور ان کو ذلیل فرما یا ان کو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما اور زمین کو ان سے پاک و صاف کر دے یا اُن کی اصلاح فرما دے" [28]

[25] فیوض یزدانی مجلس ۲
[26] فیوض یزدانی مجلس ۱۵
[27] فیوض یزدانی مجلس ۲۱
[28] فیوض یزدانی مجلس ۱۵ ترجمہ فتح الربانی۔

وہ عالم کی شان کے خلاف سمجھتے تھے کہ عالم ہو کر امراء و وزراء کے در کا بھکاری بنے۔ کیونکہ علم غیور ہوتا ہے۔ یہ غیروں کے دروازوں پر نہیں جاتا بلکہ وقت کے فراعین و نماردہ کے سامنے نعرہ حق لگاتا ہے۔

اقبال نے فرمایا تھا۔

اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن نعرۂ لا پیش نمرود بزن

ایک جگہ اس گروہ کو فرماتے ہیں:۔

"تجھے شرم نہیں آتی کہ تیری حرص نے تجھ کو ظالموں کی خدمت گاری اور حرام خوری پر آمادہ کر دیا ہے تو کب تک حرام کھاتا اور دنیا کے ان بادشاہوں کا خدمت گار بنے رہے گا جن کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ ان کی بادشاہت عنقریب مٹ جائے گی اور تجھے حق تعالیٰ کی خدمت میں آنا پڑے گا جس کی ذات کو کبھی زوال نہیں۔[۲۱]

مرشد جیلانی رح ہمیشہ حکام و سلاطین کے غلط افعال پر تنقید کرتے اور اس پر کسی وجاہت اور اثر و نفوذ کی مطلق پروا نہ کرتے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

"کان یامر بالمعروف وینھیٰ عن المنکر للخلفاء والوزراء والسلاطین والقضاۃ والخاصۃ والعامۃ ویصدعھم بذٰلک علیٰ رؤس الاشھاد ورؤس المنابر وفی المحافل وینکر علیٰ من یولی الظلمۃ ولا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم[۳۱]	آپ خلفاء، وزراء، سلاطین، قضاۃ خواص و عوام سب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرماتے اور بڑی صفائی اور جرأت کے ساتھ ان کو بھرے مجمع میں علی الاعلان ٹوک دیتے، جو کسی ظالم کو حاکم بناتا، اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی آپ پروا نہ کرتے تھے۔

تصرفِ الٰہی

حضرت جیلانی رح ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے اور ملنے والوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔

ایک جگہ فرمایا:

لا معین الا اللہ[۳۱] اللہ کے سوا کوئی (فوق الاسباب) مددگار و مشکل کشا نہیں۔

---

[۲۱] فتح الربانی مجلس ۱۳

[۳۱] غنیۃ الطالبین

[۳۰] قلائد الجواہر ص ۸

ان ھذہ الامور کلھا بید اللہ یصرفھا فی طرائقھا ویمضیھا فی حقائقھا لا مقدم لما اخر ولا مؤخر لما قدم ولا یجتمع اثنان الا بقضائہ وقدرہٖ[۳۲]

تمام اُمور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ انہیں ان کے طریقوں پر جس طرح چاہے پھیرتا ہے اور اُن کی حقیقتوں پر گزارتا رہتا ہے جس کو خدا پیچھے کر دے اسے کوئی آگے کرنے والا نہیں۔ جب تک اس کی قضا و قدر پر چلے دو آدمی باہم مل بھی نہیں سکتے۔

معلوم ہوا کہ تصرف فی الامور کا مقام کسی کو خدا کے سوا حاصل نہیں۔ کیونکہ یہ خاصہ خدائی ہے۔ ایک جگہ انبیاء کے نام گنا کر تحریر فرماتے ہیں۔

لم یستغن من التوبۃ والاستکانۃ والافتقار الی اللہ عزوجل[۳۳]

تمام انبیائے کرام خدا کے حضور توبہ کرنے عاجزی کرنے اور اس کے محتاج ہونے سے بے نیاز نہیں ہیں۔

بلکہ یہاں تک ارشاد ہے:۔

لا تتحرک الا للہ[۳۴]

اللہ کے سوا کسی اور کے لیے حرکت بھی نہ کر

اللہ کی توحید کو تصرف فی الامور میں عجیب طریقہ سے پیش کرتے ہیں۔ کہیں فرمایا:

لا یاتی بالخیر الا اللہ

اللہ کے سوا کوئی بھلائی نہیں لا سکتا۔

کہیں فرمایا:

لا یصرف السوء الا اللہ

خدا کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں۔

سلطان باہو نے اسی کی ترجمانی کر کے فرمایا تھا۔

چو تیغ لا بدست آری۔ بیا تنہا چہ غم داری
مجو از غیر حق یاری۔ کہ لا فتاح الا ھو

حقیقی شرک

شاہ صاحب نے شرک کی بہت مذمت کی ہے اور توحید کا پرچم دنیا میں بلند کیا۔ فرماتے ہیں:

---

[۳۲] غنیۃ الطالبین
[۳۳] غنیۃ الطالبین
[۳۴] غنیۃ الطالبین

الا ان الرجل منهم اشرك بالله عزوجل حیث طمع فی مخلوق مثلہ لا یملك ضرا و لا نفعاً ولا عطاء ولا منعاً[35]	خبردار جس نے اپنے جیسی مخلوق سے اُمید رکھی اُس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ مخلوق میں سے کوئی نہ نقصان پہنچا سکتا ہے، نہ نفع نہ کسی کے اختیار میں عطا ہے نہ منع۔

مخلوق سے شرک رکھنے کو بھی شاہ صاحب نے شرک قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

لیس الشرك عبادة الاوثان بل هو متابعتك لهواك وان تختار مع ربك عزوجل شیئاً سواه من الدنیا ومافیها و الاٰخرة ومافیها فما سواه عزوجل غیره فاذا رکنت الی غیره فقد اشرکت[36]	صرف بت پرستی ہی شرک نہیں بلکہ تیری اپنی خواہشات کی اتباع کرنا اور اللہ کے سوا کسی فرد بشر کو اللہ تعالیٰ کی طرح پسند کرنا بھی شرک ہے چنانچہ دنیا و آخرت کی کسی شے کی طرف بھی جو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہے دل لگانا، جیسا کہ اللہ کی طرف لگانا چاہیے صریح شرک ہے۔

آپ کی ساری زندگی ہی توحید کی اشاعت میں گذری۔

کتاب وسنت کی تعلیم

حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھا کتاب اللہ وسنة رسولہ[37]

"میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنت"۔

حضرت شیخ جیلانیؒ نے اسی کی تائید میں ارشاد فرمایا:

ان کمال الدین فی شیئین فی معرفة اللہ تعالیٰ واتباع سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[38]	دین کامل دو چیزوں میں ہے، اللہ کی معرفت (جو قرآن سے حاصل ہوتی ہے) اور سنت (احدیث کی پیروی)

یہی نہیں بلکہ آپ نے ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑنے کے بارے میں فرمایا:

---

[35] غنیۃ الطالبین
[36] فتوح الغیب
[37] موطاء امام مالکؒ
[38] غنیۃ الطالبین

فعلیک بالتمسک بالکتاب والسنۃ والعمل بھا امرًا و نھیًا اصلاً وفرعاً فیجعلھما جناحیہ یطیر بھما فی الطریق الواصل الی اللہ عزوجل[۳۹]

آپ (ہر امتی - مرید) پہ لازم ہے کہ قرآن حدیث کو مضبوط پکڑو اور ان دونوں پر ہی عمل کرو۔ ان کے امر کو بجالاؤ اور نہی سے باز رہو۔ اصول اور فروع میں ان کے پابند رہو۔ یہ دو پر ہیں جن سے پرواز کر کے آدمی اللہ تک پہنچتا ہے۔

قرآن وسنت کو شاہ جیلانیؒ نے طائر لاہوتی کے پر قرار دیا ہے جن کے ذریعے اڑ کر اللہ کی ملاقات کی جاتی ہے۔ ہر مسلمان کو ان کے ارشاد پر عمل کر کے قرآن وسنت کو دین قرار دے کر ماسوا سے بے نیاز ہونا ضروری ہے۔ ایک جگہ یوں فرماتے ہیں۔

فیعمل بما فی الکتاب والسنۃ و یصم عما سوی ذالک[۴۰]

صرف قرآن وسنت پہ عمل ہو اس کے سوا ہر چیز سے بہرے ہو جاؤ۔

آپ نے دین کی تکمیل ہی قرآن وسنت پہ بتائی ہے۔

اذا تمت الاوامر والنواھی انزل اللہ علی رسولہ فی حجۃ الوداع الیوم اکملت لکم دینکم[۴۱]

جب دین اسلام کے اوامر و نواہی پورے ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے حجۃ الوداع میں اپنے رسول پہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم اتاری (یعنی اے مسلمانو! تم پہ دین مکمل ہو گیا۔

ان کے نزدیک راہ نجات صرف قرآن وسنت ہے۔ دراصل ان ہی دو چیزوں سے ہر قسم کا اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔ ان کے علاوہ ہلاکت اور تباہی ہے۔

لیس لنا نبی غیرہ فنتبعہ ولا کتاب غیر القرآن فنعمل بہ فلا تخرج عنھما فتھلک[۴۲]

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نبی نہیں جن کی ہم تابعداری کریں اور قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں جس پہ عمل کریں اگر ان کے علاوہ کسی اور طرف گیا تو ہلاک ہو جائے گا۔

اور پھر سلامتی بھی ان دو چیزوں میں فرمائی۔

---

[۳۹] غنیۃ الطالبین [۴۰] غنیۃ الطالبین [۴۱] غنیۃ الطالبین
[۴۲] فتوح الغیب

والسلامة مع الکتاب والسنة والھلاکة مع غیرھما بھما یرتقی العبد الی حالة الولایة والبدلیة[۲۳]

صرف قرآن و حدیث پر عمل کرنے میں سلامتی ہے اس کے علاوہ جس چیز پر عمل کرے گا برباد اور ہلاک ہوگا۔ صرف قرآن و حدیث پر عمل کرکے اولیاء اور ابدال بن سکتے ہیں۔

مرشد جیلانی کی تعلیمات مسلمانوں کے لیے چراغ راہ ہیں۔

تصانیف

حضرت شیخ کی تصانیف متعدد کتابیں ہیں:
غنیۃ الطالبین۔ فتوح الغیب۔ الفتح الربانی۔ فیوضات ربانیہ۔ بشائر الخیرات[۲۴]
ان کے علاوہ آپ کی کتابوں میں جلاء الخاطر۔ الیواقیت والحکم اور مواہب الربانیہ شامل ہیں۔
آپ کی کتابوں کی شہرت تمام اہل اسلام میں ہوئی۔

وفات

حضرت شیخ نوے سال تک اس دنیا فانی میں رہے۔ آخر ۵۶۱ھ میں بغداد ہی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ وہیں اپنے استاد ابوسعید مخزومی کے مدرسے باب الازج میں مدفون ہوئے۔ بیماری کی حالت میں وفات سے قبل آپ نے اپنے بیٹے عبدالوہاب رح کو توحید پر قائم رہنے کی وصیت کی۔ آپ کے صاحبزادہ سید عبدالجبار نے پوچھا، جسم میں کہاں تکلیف ہے؟ تو فرمایا میرے کل اعضا مجھے تکلیف دے رہے ہیں مگر میرے دل کو کوئی تکلیف نہیں اور وہ خدا کے ساتھ صحیح ہے۔ پھر آپ کا وقت اخیر آیا تو فرمانے لگے۔ "میں اس خدا سے مدد چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک و برتر ہے اور زندہ ہے جسے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں۔ پاک ہے وہ جس نے اپنی قدرت سے عزت ظاہر کی اور موت سے بندوں پر غلبہ دکھایا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں"۔ اور آپ کے صاحبزادہ شیخ موسیٰ فرماتے ہیں، آپ نے لفظ "تعزز" فرمایا اور یہ لفظ صحت کے ساتھ آپ کی زبان سے ادا نہ ہوا۔ تب آپ بار بار اسے دہراتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے آواز بلند کرکے اور سختی کرکے لفظ "تعزز" اپنی زبان سے ٹھیک ٹھیک فرمایا۔ پھر (تین بار) اللہ اللہ اللہ فرمایا۔ اس کے بعد آپ کی آواز بند ہوگئی۔ اور زبان تالو سے چپک گئی اور روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کرگئی[۲۵]۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ۔

۲۳؎ فتوح الغیب ۲۴؎ معجم المطبوعات ۲۵؎ تکملہ رموز الغیب

سرفروش مجاھد　　　　　　　　اسعد گیلانی

شاہ اسمٰعیل شہید

پورا نام ——— شاہ محمد اسمٰعیل

والد کا نام ——— شاہ عبدالغنی

مقام پیدائش ——— دھلی

تاریخ پیدائش ——— ۱۲ ربیع الاول ۱۱۹۳ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۷۷۹ء

آپ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کے پوتے تھے گویا اس خاندان سے تعلق تھا جو علم و فضل کا سرچشمہ تھا۔

چنانچہ تعلیم کی ابتداء گھر سے ہی ہوئی۔ آٹھ سال کی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ دس برس کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ تو فاضل اور بزرگ چچا شاہ عبدالقادر دھلوی نے آغوش محبت میں لے لیا۔ انہی سے دینی علوم حاصل کیے۔ ۱۵۔ ۱۶ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ ابتدا سے انتہائی ذہین، زود فہم اور سلیم الطبع تھے۔ ان کی ذہانت کی دھوم تھی۔ آپ کو تاریخ اور جغرافیہ کے علوم سے خصوصی دلچسپی تھی۔

شاہ صاحب کو فنون جنگ سے بھی بہت لگاؤ تھا۔ گھوڑے کی سواری کی بہت مشق پیدا کی تھی بنوٹ پٹے بازی، تیراکی جو اس وقت بھی علماء کے درجے سے کم تر کام سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے محنت اور ذوق و شوق سے سیکھے۔ گولی چلانے کی اتنی استعداد پیدا کی کہ چھوٹے چھوٹے پرندوں تک کو گولی سے گرا لیا کرتے تھے۔ جھلستی دھوپ اور کڑکتے جاڑوں کی برداشت کی قوت پیہم مشق سے فراہم کی۔

عمر اور علم کی پختگی کے ساتھ ہی تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جن کا مقصد مسلمان معاشرے کو جو شرک بدعات اور رسوم و رواج جاہلانہ کا مرقع بنا ہوا تھا۔ اصلاح کی دعوت دینا تھا۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے وہ سب لوگ جو اعتدال کی راہ سے ہٹ کر اپنے اپنے اڈوں پر اپنے مخصوص طرز فکر اور معتقدات کا جال بچھا کر جاہل مسلمانوں کو لوٹ کھسوٹ رہے تھے۔ پنجے جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئے۔ طرح

طرح کے شوشے چھوڑے جاتے اور سوالات اٹھائے جاتے لیکن شاہ صاحب توحید کی طرف بے لاگ دعوت دیتے رہے اور جاہلانہ سوالات کے بھی نہایت حکمت سے جواب دے کر دلوں کے کانٹے نکالتے رہے اس لیے کہ فہم دین اور علم دین میں ان کی ٹکر کا کوئی آدمی نہ تھا اور انسان جب حق کی طرف بلا رہا ہو تو خود حق اتنی بڑی قوت اور رعب والا ہوتا ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسرے ٹھہر نہیں سکتے۔ جس طرح لوہے کی تلوار کا مقابلہ سیسے کی سلاخ سے ممکن نہیں۔ اسی طرح بے غرضی کا مقابلہ خود غرضی سے اور اخلاص کا مقابلہ ریاکاری سے کرنا ممکن نہیں ہے جس جسم میں اخلاص کا جوہر ہو اسے کوئی تلوار کاٹ نہیں سکتی۔

ایک غیر شعوری کیفیت کے تحت شاہ صاحب اپنے آپ کو ایک ایسی تحریک کے لئے تیار کر رہے تھے جو دماغی اور جسمانی صلاحیتیں دونوں ان سے طلب کرنے والی تھی۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ علماء کے خاندان میں پیدا ہو کر انہیں سپاہ گری کا شوق کیوں تھا اور آرام کے مقابلے میں مشقت کیوں عزیز تھی۔ لیکن ان کا وجدان ان سے جس چیز کا مطالبہ کرتا رہا۔ وہ اس کی تیاری میں مصروف رہے وہ ایک عظیم دینی تحریک کے ساتھ ملکر اس کا دل و دماغ بننے والے تھے۔

اسی دوران میں انہوں نے پنجاب کا سفر کیا۔ پنجاب سے سکھوں کے مظالم کی داستانیں چھن چھن کر آرہی تھیں۔ وہاں مسلمان اکثریت پر سکھوں کی ایک سفاک جمعیت حاوی ہوگئی تھی جس نے لوٹ مار اور ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ شاہ صاحب بچشم خود ان حالات کا جائزہ لینا چاہتے تھے جن حالات میں مظلوم مسلمان مردوں اور عورتوں اور بچوں کی امداد کے لئے جہاد کی تلوار اٹھانا ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مرزا حیرت دہلوی کی روایت کے مطابق انہوں نے پورے پنجاب کا دورہ کیا اور مسلمانوں کی بے بسی اور سکھوں کے مظالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اسی وقت سے ان کے دل میں جہاد کا جذبہ بھڑکنے لگا تھا اور انہوں نے محسوس کیا تھا کہ آغاز کار کے لئے امداد کے سب سے پہلے مستحق یہ پنجاب کے مظلوم مسلمان ہی تھے جس طرح غیر حق میں سب سے پہلے تلوار کے مستحق یہ ظالم سکھ ہی تھے۔

واپسی پر انہوں نے اور مولانا عبدالحئی صاحب نے سید احمد شہید کی بیعت کر لی۔ اس لئے کہ انہوں نے دیکھ لیا کہ جس مجاہدانہ اضطراب میں وہ مبتلا تھے۔ اس پر اضطراب سفر کے لئے اس منزل کا رہنما یہی شخص تھا۔ یہ پہلے دو ساتھی تھے جو سید احمد شہید کو میسر آئے اور یہ اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جو مسلمانوں کے اندر علم دین کی پہاڑی کے چراغ تھے۔ ان کی رفاقت نے اس پیری اور

مریدی کے رسمی سلسلے کو ایک تحریک احیائے دین کی شکل میں بدل دیا اور وہ کھل کر سامنے آنے لگے جو مدتوں سے دلوں کی بستیوں کے مکین تھے۔

اس کے بعد تبلیغی دوروں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ جن میں شاہ صاحب ہی اکثر دین کا خالص مفہوم دعوت حق کے تقاضے اور توحید خالص کو نکھار کر عوام کے سامنے پیش کرتے رہے۔ عموماً ہر جگہ شاہ صاحب نے عوام میں اور مولانا عبد الحئی صاحب نے خواص میں دعوتِ حق کو پھیلایا۔ اور جو باتیں حجروں کے اندر چھپ کر کہتے ہوئے بھی لوگوں کا زہرہ آب ہوتا تھا اب وہ بازاروں میں کہی جانے لگیں اور گلیوں میں پکاری جانے لگیں اور ہر صاحب گوش نے محسوس کیا کہ کرنے کا کام وہی تھا جس کی طرف اللہ کے یہ بندے دعوت دے رہے تھے۔

بعض علمائے سوء نے حج کی عدم فرضیت بوجہ خطرات جان کا فتویٰ دیا تو شاہ صاحب نے اپنے علم کی قوت سے اسے رد کیا اور عمل کی قوت سے سید صاحب کے ساتھ فریضہ حج ادا کر کے اس کی ناقابل تنسیخ فرضیت کو ثابت و قائم کر دیا۔

حج سے واپسی کے بعد وہ مسلسل دعوت جہاد کے لئے وقف ہو گئے اور بالآخر ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء کو انہوں نے گھر بار اہل و عیال سب کچھ چھوڑ کر جہاد کے لئے ہجرت کی راہ اختیار کی تپتے صحراؤں اور سنگلاخ چٹانوں پر سے گزرتے ہوئے وہ سب سے پہلے قافلے کے ساتھ سرحد پہنچے اور ۲۰ دسمبر ۱۸۲۶ء کو جہاد کا آغاز کیا۔

انہوں نے سرحد کے مسلمانوں اور سرداروں کو سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر کے جہاد میں شرکت پر آمادہ کیا اور مسلسل یہ خدمت انجام دیتے رہے، انہوں نے بار بار جہاد کی صف اول میں شرکت کی اور قبائے علم میدانِ جہاد کی گولیوں سے چھلنی ہوتی رہی۔ ان کی جوانگلی جہاد فی اللہ کی راہ میں زخمی ہوئی وہ اسے ہمیشہ انگشت شہادت کہتے رہے، انہوں نے اپنے امیر کی رفاقت میں مسلسل انیس جنگوں میں شرکت کی۔ پیہم اللہ کی راہ میں جان و مال کو قربان کیا، مصائب برداشت کئے اور ہنسی خوشی اپنی وہ مضطرب روح اپنے مالک کے حضور نذر کر دی۔ جسے وہ اس دن کے لئے لئے پھرتے رہے جو دن ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے میدان میں پیش آیا۔

ان کی پیشانی میں گولی لگی تھی ان کی داڑھی خون سے تر بہ تر تھی اور وہ یہ کہتے ہوئے گولیوں کی بوچھاڑ میں آگے بڑھتے چلے گئے کہ میں تو وہیں جاتا ہوں جہاں امیر المومنین ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبر مبارک کو رحمت سے بھر دے اور ان کی پامال کردہ راہ حق پر قافلوں کو رواں دواں رکھے۔

ماشاء اللہ

ضو فشاں مشعلِ توحید ہے ماشاء اللہ
انجمن ہمسر خورشید ہے ماشاء اللہ

شافعِ روزِ قیامت کا دمکتا چہرہ
میرے اشعار کی تمہید ہے ماشاء اللہ

دل ہیں شاداب کہ الحاد کا فسوں ٹوٹا
دن تو کیا شب بھی شبِ عید ہے ماشاء اللہ

ہر طرف نام محمدؐ کی ہیں شمعیں روشن
ہر طرف جلوہ گہِ دید ہے ماشاء اللہ

سر بسجدہ ہے کوئی محوِ تلاوت ہے کوئی
کیا حسین صورتِ تجوید ہے ماشاء اللہ

صدیوں پہلے جو نشۂ خلد نے بخشا تھا ہمیں
پھر اُسی عزم کی تجدید ہے ماشاء اللہ

پا کے نزدیک منازل کے نشاں اے راسخ
ذہن آسودۂ اُمید ہے ماشاء اللہ

راسخ عرفانی

جامعہ تعلیمات اسلامیہ

فیصل آباد

میں ایک عظیم تعلیمی تجربہ

جو بفضلہ کامیابی سے ہمکنار ہے!

پرائمری پاس طلباء ۱۰ برس میں

- دینی علوم کی تکمیل؛
- قرآن مجید کے ۲۵ پارے حفظ
- عربی زبان میں، اہل زبان کی طرح مہارت،
- ۹ ویں برس میٹرک اور گیارہویں میں ایف اے کا امتحان

علاوہ بریں

مدینہ یونیورسٹی اور جامعہ ازہر میں داخلہ کا امکان

کلیۃ الدعوۃ واصول الدین اور التخصص فی الدعوۃ والارشاد والعقیدۃ

(جامعہ تعلیمات اسلامیہ میں جامعہ ازہر اور مدینہ یونیورسٹی کے نصابوں کی تکمیل کا اہتمام)

امسال

جامعہ تعلیمات اسلامیہ اور کلیۃ الدعوۃ واصول الدین وقسم التخصص فی الدعوۃ والعقیدۃ میں مدینہ یونیورسٹی کے ۵ اور جامعہ ازہر کے چار اور ۷ پاکستانی اساتذہ موجود ہیں!

علاوہ ازیں

فیصل آباد شہر میں جامعہ کی شاخ اس رمضان المبارک سے قائم ہو چکی ہے!

داخلہ

- جامعہ تعلیمات اسلامیہ کے درجہ اول سے چھٹی تک — اور
- کلیۃ الدعوۃ واصول الدین کے پہلے سال میں — اور

عربی مدارس کے فارغ حضرات کیلئے التخصص فی الدعوۃ والعقیدۃ

— کا داخلہ شروع ہے! —

وظائف **قیام و طعام کے علاوہ**

کلیۃ الدعوۃ و اصول الدین کے لیے

ایک سو پچاس روپیہ ماہوار اور

التخصص فی الدعوۃ والعقیدۃ کیلئے **تین صد روپے ماہوار تک**

برسہ ادارہ جات

- تمام ابتدائی اور ثانوی درجات پہلے سے چھٹے برس، اور
- کلیۃ الدعوۃ واصول الدین — اور التخصص فی الدعوۃ والعقیدۃ میں

داخلہ کی آخری تاریخ ۵ تا ۲۰ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ (۲۹ اگست تا ۱۳ ستمبر ۱۹۷۹ء) ہے!

تعلیم ۸ شوال المکرم سے شروع ہو جائے گی، انشاء اللہ العزیز

اسلامیان فیصل آباد

کیلئے

ایک اہم موقعہ سعادت میسر حاصل ہوا کہ وہ والدین اور سرپرست جو بار بار اصرار فرما رہے تھے کہ

جامعہ تعلیمات اسلامیہ کی شاخ

شہر میں کھولی جائے تاکہ وہ دینی اور دنیوی قسم کی تعلیم و تربیت کے اس مرکز سے فائدہ اٹھا سکیں

انہیں خوشخبری ہو کہ الحمدللہ یہ مرحلہ آسان ہو گیا اور اس رمضان المبارک سے

۸۸۔ جناح کالونی، فیصل آباد

میں، جامعہ کی فرع (شاخ) کھول دی گئی ہے، جس میں

- میٹرک، مڈل اور پرائمری پاس
- پرائمری کی چوتھی یا تیسری جماعت پاس یا اس کی استعداد رکھنے والے
- ابتدائی عربی پڑھے ہوئے — طلبہ کا

داخلہ شروع ہے۔

چونکہ گنجائش محدود ہے اس لئے داخلہ "پہلے درخواست، پہلے داخلہ" کی بنیاد پر ہوگا۔

دفتر کا پتہ: ۸۸ جناح کالونی فیصل آباد

فوری مقاصد کیلئے، فون: ۲۳۰۲۱ - ۲۵۲۱۲ - ۲۸۰۰۱

عبدالرحیم اشرف ○ **ادارہ تعلیمات اسلامیہ پوسٹ بکس ۴۷ فیصل آباد**

Regd. No. L. 7895 Phones : 352897 - 63210

Monthly MOHADDIS Lahore-16

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

★ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں ـــــ لیکن تعصبات سے بالاتر افہام و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

★ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقا کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں ـــــ لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمّت کی تباہی کا سبب ہے۔

★ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے ـــــ لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

★ تبلیغ دین اور نشر و اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے ـــــ لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی رُوح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

★ آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے ـــ لیکن

ع جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

★ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے ـــ لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔



اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو:

مُحدّث

کا مطالعہ فرمایئے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزیّن پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

زرِ سالانہ ۱۵ روپے

فی پرچہ ۱/۵۰ روپے